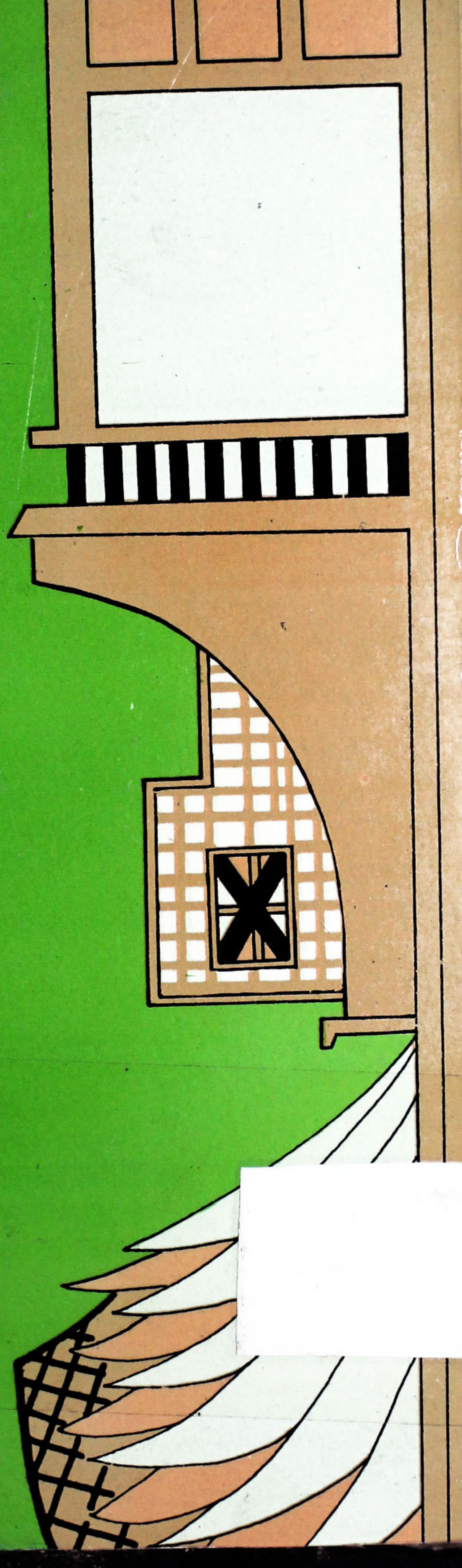


زندگی بے بندگی شرمندگی

①

آفت

بنت الاسلام





زندگی بے بندگی شرمندگی : ۱

آخرت

۶۲۲۴۹۸۲-۱۱

بنت الاسلام

ادارہ تبوّل

سید پلازہ ۳۰ فیروز پور روڈ لاہور

297-46  
پ 746  
۱۲۵۷۵۲

طابع و ناشر:	ادارۃ بتول
مطبع:	اے این اے پرنٹرز
بار اول:	۶۱۹۷۰
بار دوم:	۶۱۹۸۷
بار سوم ایڈیشن:	۶۱۹۸۸
تیسرا بار ایڈیشن:	۶۱۹۸۸
چوتھا بار ایڈیشن:	۶۱۹۸۹
پندرھواں ایڈیشن:	۶۱۹۹۱
سولہواں	۶۱۹۹۲
سترہویں	۶۱۹۹۳
اٹھارویں	۶۱۹۹۵
انیسویں	۶۱۹۹۴
بیسویں	۶۱۹۹۷

قیمت: ۵۰ روپے

# ترتیب

صفحہ	عنوان
۷	تبلیغ کی اہمیت
۱۵	کچھ معروفات
۱۷	آخرت کے متعلق تین نظریے
۱۸	منظریہ انکارِ آخرت
۲۱	منظریہ تانسخ
۲۲	انبیاء کا بتایا ہوا نظریہ
۲۴	زندگی کی بے ثباتی
۲۶	موت اور جنازہ
۴۹	قبریا عالم برزخ
۶۴	قیامت
۶۷	قیامت کی علامات
۶۹	قیامت کا وقوع

## عنوان

صفحہ

۸۴

نامہ اعمال اور حساب

۹۹

میزان، صراط، شفاعت، کوثر

۱۰۰

میزان، صراط

۱۰۴

شفاعت

۱۰۹

حوض کوثر

۱۱۳

بہشت اور دوزخ

۱۲۵

بہشت

۱۲۳

رویت باری تعالیٰ

۱۲۹

دوزخ

۱۶۴

بہشت کے مستحق کون ہیں

۱۷۷

دوزخ کے مستحق کون ہیں

۱۸۵

فکر آخرت اور شوق آخرت

۱۸۶

فکر آخرت

۲۰۴

شوق آخرت

۲۱۴

{ انسانی زندگی پر عقیدہ آخرت }  
کا اثر

۲۱۴

دیانت داری

۲۱۷

شجاعت

۲۲۲

صبر و استقامت

صفحہ

عنوان

۲۲۶

سیرِ چشمی اور عالی ظرفی

۲۳۵

جذبہ شیرات

۲۳۸

وقت کی قدر

۲۴۲

آخرت کا دوام





# تبلیغ کی اہمیت

کلام پاک میں سورہ آل عمران آیت ۱۰۴ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

”اور تم میں ایک ایسی جماعت ہو نا ضروری ہے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

اس آیت میں مسلمانوں کو واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ وہ برائیوں کو روکنے اور بھلائیوں کے پھیلانے کا بندوبست کئے رکھیں، اور ان میں مستقل طور پر ایک گروہ ایسا رہنا چاہیے جو اس فریضے کو انجام دیتا رہے۔ پھر اس تبلیغ کرنے والے گروہ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔ اسی سورت کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

”تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ تم نیک کام

کرنے کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

اس آیت میں بھی امت مسلمہ کو بہترین امت کہنے کی وجہ جو ساتھ ہی بتا دی گئی ہے یہی ہے کہ وہ دنیا میں نیکی پھیلانے اور برائی کی جڑ کاٹنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے (کسی کو) ہدایت کی طرف بلایا اسے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا ان لوگوں کو ملے گا جو اس کا کہا مان کر ہدایت اختیار کریں گے بغیر اس کے کہ ان (ہدایت کرنے والوں) کے اجر وہ ہیں سے کچھ کم کیا جائے۔ اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا اسے اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا ان لوگوں کو ہوگا جو اس کا کہا مان کر اس گمراہی کو اختیار کریں گے بغیر اس کے کہ ان (گمراہی اختیار کرنے والوں) کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔

(الوداؤد)

مندرجہ بالا آیات و احادیث سے وضاحت کے ساتھ پتہ چل جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے تبلیغ کرنے رہنا کس قدر ضروری ہے، حقیقت یہ ہے کہ تبلیغ وہ فریضہ ہے جسے ادا کئے بغیر امت مسلمہ کبھی بھی عزت و وقار کے اس مقام پر نہیں رہ سکتی جو اللہ تعالیٰ نے درحقیقت اس کے لیے معین کیا تھا جب تک مسلمانوں میں تبلیغ کا جذبہ موجود رہا وہ دنیا میں سر بلند و سرفراز رہے اور جیسے انہوں نے اس اہم فریضے سے غفلت برتنی شروع کی وہ اپنے وطنوں کے اندر بے وطن ہو کر رہ گئے۔

تبلیغ عملی بھی ہوتی ہے، قولی بھی اور قلبی بھی۔ اور یہ تینوں اپنی اپنی جگہ انتہائی اہم اور ضروری ہیں۔ تاہم قلبی تبلیغ میں ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کا

دائرہ اثر دور دوز تک پھیل جاتا ہے اور اس سے بے حد و حساب لوگ متاثر ہو سکتے ہیں۔ ایک مخلص دل سے نکلی ہوئی نصیحت جب تحریر میں محفوظ ہو جائے تو پھر یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں ہوتا کہ کتنے لوگ اسے پڑھیں گے، اور کتنے متاثر ہوں گے۔ زبان سے بات صرف اسی سے کی جاسکتی ہے جو سامنے موجود ہو، عمل بھی صرف اسی کو دکھایا جاسکتا ہے جو دیکھ رہا ہو۔ مگر تحریر وہ ذریعہ ہے جس سے انسان ان بے شمار لوگوں کو بھی مخاطب کر لیتا ہے جو نہ سامنے موجود ہوتے ہیں نہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ تحریر کے ذریعے ان انسانوں کو بھی مخاطب کیا جاسکتا ہے جنہوں نے صدیوں بعد پیدا ہونا ہوتا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محمد بن عبدالوہاب، امام ابن تیمیہ کی تحریروں سے متاثر ہوئے تھے اور یہ تحریریں اس مخلص خادم دین نے محمد بن عبدالوہاب کی پیدائش سے مدتوں پہلے لکھی تھیں۔

زیر نظر کتاب بھی اس جذبے کے ساتھ لکھی گئی ہے جس جذبے نے تاریخ اسلام کے بے شمار مصلحین کو قلم اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔ اگرچہ ان عالی وقار قلموں میں اور اس عاجز قلم میں جس نے یہ کتاب مرتب کی ہے زمین آسمان کا فرق ہے مگر دل کا درد بہر حال وہی ہے جن فضاؤں میں عقاب اڑتا ہے انہیں میں ممولا بھی اڑتا ہے۔ اگرچہ ممولے کی اڑان کو عقاب کی پرواز سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے تاہم ممولا بھی امکان بھر تو اڑ ہی لیتا ہے۔ مقصد تو صرف یہ ہے کہ اس خیر امتیہ کی سر بلندی کے لیے ہر ممکن کوشش کر لی جائے۔ کون کہہ سکتا ہے شاید وہ جلیل و عظیم مالک ممولے کی اڑان کو بھی شرف قبولیت بخش ہی دے۔

حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو، وہ اس حد پر کبھی نہیں پہنچتے کہ اصلاح کی کوششوں کو بے کار سمجھ لیا جائے۔ ایسے ہی حالات کتنے ہی خوشگوار کیوں نہ ہوں،

یہ صورت بھی کبھی پیدا نہیں ہوتی کہ انہیں مزید خوشگوار بنانے کی ضرورت ختم ہو جائے۔ اس لیے مسلمانوں کو دنیا میں سر بلندی حاصل ہو یا وہ فقر مذلت میں گرے ہوئے ہوں تبلیغ کی ضرورت کبھی ختم نہیں ہوتی۔

پھر تبلیغ صرف بیروتی ہی ضروری نہیں اندرونی بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف بلانے کے علاوہ یہ بھی بے حد ضروری ہے کہ خود مسلمان کہلانے والوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بننے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ نئی نسلیں تیزی سے غیر اسلامی نظریات و افکار سے متاثر ہوتی چلی جا رہی ہیں اور ان میں سے ایک گروہ تو دین سے اتنا دور جا چکا ہے کہ ان کا واپس آنا نظر آ رہے انتہا مشکل نظر آتا ہے تاہم اس صورت حالات سے کسی قسم کی کوئی دل شکستگی ہرگز پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

”اور (وہ وقت یاد کرو) جب ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیے جاتے ہو، جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت سزا دینے والا ہے ان (نصیحت کرتے والوں) نے جواب دیا کہ تمہارے (اور اپنے) رب کے رو برو عذر کرنے کے لیے اور اس لیے (بھی) کہ شاید یہ لوگ ڈر ہی جائیں۔“

آیت میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور دونوں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ اہل ایمان تبلیغ اس لیے کرتے ہیں کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے کہہ سکیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ ماننا یا نہ ماننا سننے والوں کی مرضی اور قسمت پر منحصر تھا۔ اور دوسری یہ کہ جن لوگوں پر تبلیغ کی جا رہی ہو، وہ کتنے ہی لاپرواہ اور مخالف اسلام کیوں نہ نظر آتے ہوں، اس بات کا امکان

بہر حال موجود ہوتا ہے کہ وہ خدا کے پیغام سے متاثر ہو جائیں۔ اور خدا سے ڈر کر اپنی روش بدل لیں۔

جہاں تک پہلی حقیقت کا تعلق ہے اگر انسان اس بات کو پیش نظر رکھے کہ اس کا فرض اتنا ہی ہے کہ پیغام کو حکمت اور عمدگی سے پہنچا دے تو تبلیغ کو بظاہر بے اثر دیکھ کر جو یاس اور دل شکستگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ کبھی نہ ہو۔ تبلیغ کرنے والے کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ وہ صرف پیغام پہنچانے کا ذمہ دار ہے، کسی کا کان پھڑکے اسے زبردستی راہِ حق پر گامزن کر دینے کا ذمہ دار نہیں۔ حق کی طرت بلانے والے نے جس برتر ہستی کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہ کوشش کی تھی، اگر اس کی نیت میں خلوص ہے تو اس خالق اکبر نے اس کی کوشش کو ضرور قبول فرمایا ہے۔ اگر بظاہر تبلیغ کا اثر ہوتا نظر نہیں آتا تو یہ قطعی گھبرانے کی بات نہیں۔ اگر قوری اثر نہیں ہوا ہے تو کچھ عرصہ بعد ہو جائے گا۔ لیکن ہو گا انشاء اللہ ضرور کیونکہ اللہ تعالیٰ خلوص دل سے کی ہوئی کوشش کو کبھی رائیگاں نہیں جانے دیتا۔

باقی رہی یہ بات کہ بعض لوگ اسلام کی عملی اور قولی مخالفت میں اس حد تک جا پہنچے ہوتے ہیں کہ بظاہر ان کے واپس آنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا تو اس معاملے میں بھی باسکل ناامید ہو جانے کی ضرورت نہیں۔ انسان کی قلبی کیفیات بڑی پراسرار ہوتی ہیں۔ کٹر سے کٹر دل میں بھی کسی وقت ایسی نرمی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کے لیے کھل جاتا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ جو شخص بظاہر غیر اسلامی روشوں کا بے حد دلدادہ نظر آتا ہے وہ کبھی تبلیغ سے متاثر ہی نہیں ہوگا بنیادی طور پر غلط ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کا خیال ساہا سال سے ذہن میں تھا۔ اور کوشش یہی تھی کہ ان بنیادی صفات پر مواد بہم پہنچایا جائے جن کے پیدا ہونے سے پھر ثانوی

حیثیت کی صفات خود بخود ہی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اگر دل میں خدا کی سچی محبت اور خدا کا حقیقی خوف پیدا ہو جائے تو پھر یہ اشتیاق خود بخود ہی پیدا ہو جائے گا کہ ایسے کام کریں جو اس کی رضا کے حصول میں مدد دیں اور اس کے قہر سے بچائیں ایسے ہی اگر دل کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عشق اور آپ کی اطاعت کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے گا تو پھر خود بخود ہی آپ کے لئے ہوئے دین پر چلنے کا شوق بھی ابھر آئے گا۔ اسی طرح اگر دلوں میں حیا پیدا ہو جائے گی تو پھر اخلاقی بے راہ رویوں اور عریانیوں کی راہیں خود بخود ہی مسدود ہونی شروع ہو جائیں گی۔

ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں جو عام بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے بڑے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس کتاب میں مندرجہ ذیل تیرہ موضوعات کو بنیادی صفات کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ اگر ہم ان صفات کو اپنالیں تو پھر ان شاء اللہ دوسری اسلامی صفات خود بخود ہی پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔ ان موضوعات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- ۱۔ عقیدہ آخرت
- ۲۔ حب الہی اور تحنیت الہی
- ۳۔ حب رسول اور اطاعت رسول
- ۴۔ جمیت اسلام اور جذبہ تبلیغ
- ۵۔ حصول علم دین کا شوق
- ۶۔ اسلامی عبادات کی پابندی
- ۷۔ تزکیہ نفس

۸۔ اثوت اسلامیہ

۹۔ دیانت داری

۱۰۔ حیا

۱۱۔ نظم و ضبط

۱۲۔ ازدواجی زندگی کے اسلامی اصول

۱۳۔ اسلامی ثقافت

کتاب کا مواد اکٹھا کرنے میں سالہا سال لگ گئے اور وہ مواد اتنا زیادہ ہو گیا کہ اگر اسے ایک جلد میں رکھا جاتا تو کتاب بہت زیادہ ضخیم ہو جاتی اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ اسے چھوٹے چھوٹے حجم کے مختلف حصوں میں شائع کیا جائے۔ اس سلسلے کا پہلا حصہ حاضر خدمت ہے جو اسلام کے عقیدہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے اس کے بعد اللہ اپنے اپنے وقت پر یقینہ جیتے بھی حاضر خدمت ہوتے رہیں گے۔

عقیدہ آخرت کو سب سے پہلے پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اصلاح کے سلسلے میں یہ عقیدہ بڑا اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب انسان کے دل میں یہ بات نقش ہو جاتی ہے کہ میں نے ایک دن کہیں جا کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور میرے اعمال مجھے ابدی راحت بھی دے سکتے ہیں اور دائمی عذاب بھی تو پھر اس کے دل میں خود بخود ہی تہلکش پیدا ہو جاتی ہے کہ کیا کروں کہ عذاب سے بچ جاؤں اور راحت حاصل کر لوں، اور پھر یہ اندرونی جذبہ تلاش اُسے خود بخود ہی خدا، رسول، نماز، روزے، دیانت و امانت، پرہیزگاری و پاکبازی، خدا ترسی و فرین شناسی کی راہوں کی طرف لیے چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے پاک کلام میں دیکھئے کہ جو آیات اور سورتیں بالکل ابتدائی زمانے میں نازل

ہوئی تھیں ان میں عقیدہ آخرت کا بھرتا ذکر آتا ہے۔

کتاب میں جتنے الامکان اس بات کا بھی دھیان رکھا گیا ہے کہ جو کچھ بھی کہا جائے وہ زیادہ تر قرآن، حدیث، تاریخ اور سیر کی زبان میں کہا جائے اور اپنی زبان کم سے کم استعمال کی جائے۔

آخر میں ہم اللہ رب العالمین سے دست بدعا ہیں کہ ہماری ان حقیر کوششوں کو شرف قبولیت بخشے اور امت مسلمہ کو صحیح معنوں میں "خیر اُمَّة" بننے کا شرف عطا فرمائے اور اسے اس قابل بنائے کہ اس کے ذریعے نبی نوع انسان اپنی ابدی نجات کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔ آمین ثم آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

بیت الاسلام



# کچھ معروف مضمت

خدا نے ذوالجلال والاکرام کابلے پایاں شکر ہے کہ اس کتاب کا ساتواں ایڈیشن شائع ہوتے تک اس سلسلے کی آٹھ کتابیں طبع ہو چکی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ آخرت
  - ۲۔ حب الہی
  - ۳۔ داعی کے اوصاف
  - ۴۔ نفس کا تزکیہ
  - ۵۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ
  - ۶۔ صیام رمضان و حج بیت اللہ
  - ۷۔ حقوق العباد
  - ۸۔ علم
- کتابوں کے موضوعات کے معاملے میں بعض وجوہ کے باعث وہ ترتیب قائم نہ رہ سکی جو دیا چہ طبع اول میں بیان ہوئی ہے۔ اس ترتیب کے لحاظ سے تیسرے

ممبر کی کتاب حسب رسولؐ کے بارے میں ہونی چاہیے تھی مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس کے بارے میں اور زیادہ مطالعہ کر لیا جائے اور مزید معلومات حاصل کر لی جائیں۔ ایسے ہی اسلامی عبادات کو ایک جلد میں نہ رکھا جاسکا اور اس کے لیے دو جلدیں بنانی ضروری محسوس ہوئیں۔ ازدواجی زندگی کے اسلامی اصولوں کو بھی حقوق العباد کا حصہ بنا دیا گیا۔ ”تنظیم و ضبط“ اور ”اسلامی ثقافت“ کے بارے میں یہ بہتر سمجھا گیا کہ ان موضوعات پر مشتمل کتابیں لکھنے کے بجائے ان کے ضروری حصے اس سلسلے کی یقینہ کتب میں مناسب جگہوں پر آتے جائیں۔ اب نئی ترتیب کی رو سے مندرجہ ذیل عنوانات سے تعلق رکھنے والے تین حصوں کو مرتب کرنا باقی ہے۔

۹۔ اخوت اسلامی

۱۰۔ قوتیں

۱۱۔ ”سراجاً صَنِیراً“

اسی طرح انشاء اللہ یہ سلسلہ جو آخرت اور حسبِ الہی سے شروع ہوا تھا عشقِ رسولؐ پر پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ اس سلسلے کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے شرف قبولیت بخشے۔ آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# آخرت کے بارے میں تین نظریے

آخرت کے بارے میں آج تک جتنے نظریے قائم ہوئے ہیں انہیں تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے رہتے ہیں، اور اب بھی ہیں، جن کا خیال ہے کہ موت کے ساتھ ہی انسانی زندگی ہمیشہ کے لیے ختم ہو کر رہ جاتی ہے، اور اس کے بعد کچھ نہیں ہے نہ کوئی دوسری زندگی ہے، نہ جزا و سزا، نہ بہت و دوزخ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اہامی مذاہب کو نہیں مانتے وہ آخرت کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

دوسرا نظریہ یہ رہا ہے کہ روحیں جسم کے لباس میں آتی ہیں۔ ایک روح جب ایک جسم میں زندگی گزار لیتی ہے اور جسم مر جاتا ہے تو روح پھر کسی اور جسم میں دوبارہ دنیا میں آ جاتی ہے، اور ایسے ہی ہوتا رہتا ہے، یعنی ہر روح جسم بدل کر بار بار دنیا میں آتی رہتی ہے۔ اس عقیدے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ روح ایک جسم

میں جس طریقے سے زندگی گزارتی ہے اس کا پورا جسم اس کے نتیجے کے طور پر ہوتا ہے۔ اس کی روح پھر ایک اچھے انسان ہی کی شکل میں آجائے گی۔ لیکن ایک جسم میں اگر اس نے بُرے اعمال کئے ہوں گے۔ تو دوسری دفعہ ہے۔ یعنی ایک جسم میں اگر کسی انسان نے نیک اعمال کیے ہوں گے تو دوسری دفعہ وہ کسی بُرے انسان یا کسی جانور مثلاً کتے، بلی، سانپ، چوہے وغیرہ کی شکل میں پیدا ہوگا تاکہ اپنے پہلے جنم کے کیے ہوئے بُرے اعمال کی سزا پائے۔ اس عقیدے کو "عقیدہ تناسخ" کہا جاتا ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اسے مانتے رہے ہیں اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اس کو مانتے ہیں۔

آخرت کے بارے میں تیسرا نظریہ وہ ہے جو شروع سے انبیاء بتاتے آئے ہیں۔ اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ زندگی بے ثبات ہے۔ اس نے لازماً موت پر ختم ہو جانا ہے مگر موت بالکل فنا نہیں، بلکہ اس کے بعد ایک اور ابدی زندگی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ وہ بعد والی زندگی نتیجہ ہوگی موجودہ زندگی کا۔ اگر موجودہ زندگی نیکو کاری سے بسر کی ہوگی تو موت کے بعد کی زندگی ابدی آرام کی زندگی ہوگی۔ لیکن اگر دنیوی زندگی میں کفر اور نافرمانی کا رویہ اختیار کیا ہوگا تو وہ موت کے بعد کی زندگی بڑی تکلیف اور عذاب کی زندگی ہوگی۔

## نظریہ انکارِ آخرت

اب آپ ان تینوں نظریات پر غور کریں، اور دیکھیں کہ کون سا نظریہ عدل و انصاف کے مطابق اور عقلی لحاظ سے معقول معلوم ہوتا ہے۔ پہلے اس نظریے پر غور کیجئے کہ موت کے ساتھ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں ہے۔ اگر اس عقیدے کو مان لیا جائے تو پھر لامحالہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ انسان اس زندگی میں راستی اور نیکو کاری سے دن گزارے یا بد اعمالیوں میں عمر پوری کرے، انجانہ دونوں طریقوں کا ایک ہی ہوگا یعنی بالکل فنا کیا

اس بات سے دل مطمئن ہو جاتا ہے؟

ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ بے شمار انسان ایسے ہوتے ہیں جو راستی اور پرہیزگاری کی زندگی گزارتے ہیں خدا کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں کوشاں رہتے ہیں اور سچائی کی خاطر تکلیفیں اٹھاتے رہتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود تکلیف کی زندگی گزارتے ہیں۔ دوسری طرف ایسی مثالیں بھی کم نہیں کہ ظالم اور جفا کار لوگوں نے اپنی بد عملیوں اور بری رہنمائی سے ایک دوسرے کو گمراہ کیا اور لوگوں کے حقوق بڑی طرح چھینے، مگر زندگی میں خوشحالی اور فارغ البالی ان کا ساتھ دیتی رہی۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان دونوں قسم کے انسانوں کا انجام ایک جیسا ہی ہونا ہے۔ یعنی بالکل فناء تو پھر نیک آدمی کا ہے کہ لے تکلیف سہہ سہہ کر نکلیاں کرتا رہا۔ جب اسے اس کی نیکیوں کا کوئی اجر نہیں ملتا تھا تو پھر وہ بھی بُرا کیوں نہ بن گیا، کہ مار دھاڑ کر کے کم از کم زندگی کے چند دن ہی عیش سے گزار لیتا۔

اگرچہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ نیکو کاری کی زندگی گزارنے سے خود یہ دنیوی زندگی بھی سدھر جاتی ہے اور بد عملی کی زندگی گزارنے سے اس دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کوئی پکا اور لگا بندھا قانون نہیں ہے کہ ضرور ایسے ہی ہو۔ اگرچہ عموماً ایسے ہی ہوتا ہے کہ راستی کی زندگی گزارنے والے دنیا میں بھی اس کا اچھا انجام دیکھ لیتے ہیں اور برائیوں کی راہ پر چلنے والے موت سے پہلے ہی اس کی سزا بھی بھگتنا شروع کر دیتے ہیں، مگر ہمیشہ ایسے نہیں ہوتے جو کئی بد عمل دنیا میں اس حد تک عیش و آرام کرتے ہیں کہ عیش و آرام کی زیادتی انہیں مزید بد عمل بناتی چلی جاتی ہے۔ اور اس کے برعکس کئی دیانت دار محنتی دو وقت کی روکھی سوکھی بھی مہیا نہیں کر سکتے۔ پھر کئی نیک بہاد زندگی بھر بے چینیوں اور الجھنوں کا شکار رہتے ہیں اور کئی بد بہاد ہر آسائش کے مالک بنے رہتے ہیں۔ بے شمار دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مظلوم کہیں سے داد حاصل نہیں کر سکتا اور ظالم اپنے ظلم کی

سزا سے صاف بچ نکلتا ہے۔

پھر اس چیز پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں ان کے پاس اس دعوے کے لیے دلیل کیا ہے۔ آخر وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم آخرت کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ ہم نے مرنے کے بعد کسی کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں اور نہ کسی شخص نے وہ آخرت کی زندگی دیکھی ہے ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ جو مرتا ہے وہ مٹی میں مل جاتا ہے لہذا دوسری زندگی نہیں ہے۔ خدا غور کیجئے کہ یہ بھی کوئی دلیل ہے۔ اگر کسی نے آخرت کی زندگی دیکھی نہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ اس کے آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ کسی انسان نے آخرت کی زندگی دیکھی نہیں اس لیے ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہے ہی نہیں۔ ایک دیہاتی نے اگر بحری جہاز نہ دیکھا ہو تو وہ یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ بحری جہاز کیا چیز ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ چونکہ میں نے بحری جہاز نہیں دیکھا اس لیے بحری جہاز کا کوئی وجود ہی نہیں تو بر عقل والا اسے احمق سمجھے گا۔ کیونکہ ال کا بحری جہاز کو دیکھ نہ سکتا اس دعوے کی دلیل نہیں بن سکتا کہ بحری جہاز موجود ہی نہیں۔ غرضیکہ اگر اس نظریے کو مان لیا جائے کہ سب لوگوں کا انجام ایک ہی ہونا ہے یعنی موت اور اس کے بعد بالکل فناء تو نیک کس امید پر نیکی پر قائم رہے گا اور بد کس خوف کے باعث بُرائی سے بڑکے گا۔ جب آخر کار سب نے ایک ہی گڑھے میں گرنا ہے تو پھر ہر انسان کیوں نہ راحت اور لذت کے سامان حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے چاہے وہ جائز ذرائع سے حاصل ہوتے ہوں یا ناجائز ذرائع سے۔ یہ نظریہ کہ موت بالکل فناء ہے اور اس کے بعد کوئی جزا سزا نہیں، انسان کے دل سے نیکی کی راہ میں جدوجہد کرنے کے جذبے

کو ختم کر دیتا ہے۔

## تناسخ

اب تناسخ کے عقیدے کو لیجئے کہ روہیں بار بار دنیا میں آتی ہیں۔ اس عقیدے کے ماننے والے لوگوں کا خیال ہے کہ روح کا بار بار آنا اس لئے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو انسان ہے وہ اس لیے انسان ہے کہ پہلے جنم میں اس نے اچھے عمل کئے تھے اور جو جانور ہے وہ اس لیے جانور ہو گیا کہ انسان کی جنم میں اس نے بُرے عمل کیے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ انسان یا حیوان یا درخت ہونا سب دراصل پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پہلے کیا چیز تھی۔ اگر انسان تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس سے پہلے کچھ اور ہو، ورنہ پوچھا جائے گا کہ انسان کا قالب اُسے کس اچھے عمل کے بدلے میں ملا۔ اگر کہا جائے کہ حیوان تھا یا درخت تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس سے پہلے انسان ہو ورنہ سوال ہو گا کہ درخت یا حیوان کا قالب اسے کس بُرے عمل کے بدلے میں ملا غرض کہ اس عقیدے کو ماننے والے مخلوقات کی ابتداء کسی جنم سے بھی قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ ہر جنم سے پہلے ایک جنم ہونی ضروری ہے تاکہ بعد والی جنم کو پہلی جنم کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ یہ بات صریح عقل کے خلاف ہے۔ پھر تناسخ کو ماننے والے کہتے ہیں کہ انسان ایک جنم کے اعمال کی سزا دوسری جنم میں بھگتا ہے مگر سزا تو اسی صورت میں مفید ہوتی ہے کہ مجرم کو یاد ہو کہ یہ سزا مجھے فلاں گناہ کے عوض میں مل رہی ہے مگر انسان کو تو اپنی گزاری جانے والی زندگی سے پہلے کے واقعات قطعی یاد نہیں ہوتے۔ گویا اہل تناسخ کے عقیدے کی رو سے انسان ایسے گناہوں کی سزا بھگتا ہے جن کے متعلق اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا

تھے اور اس نے کب ان کا ارتکاب کیا تھا۔

غرض تنازع کا عقیدہ ایک الجھا ہوا عقیدہ ہے اور خام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

## انبیاء کا نظریہ

اب تیسرے نظریے پر غور کیجئے جو انبیاء شروع سے بتاتے رہے کہ اس زندگی کے بعد لازماً ایک دوسری زندگی ہے جس میں اچھائی کا اچھا اور برائی کا بُرا بدلہ ملے گا اور وہ دوسری زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ یہ نظریہ عملی اور عقلی دونوں لحاظ سے دل کو مطمئن کرنے والا ہے اور عین انصاف کے مطابق ہے۔ جب دل کو تسکین ہوتی ہے کہ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی، اگر دنیوی زندگی میں اس کا پھل نہ بھی ملا، تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ایک جگہ ایسی موجود ہے جہاں اس کا پھل ضرور ملتا ہے تو پھر انسان نیکو کاری پر قائم رہتا ہے چاہے اسے اس کی اچھائی کا کوئی دنیوی پھل ملے یا نہ ملے۔ ایسے ہی یہ ایمان کہ برائی کا بدلہ اگر دنیا میں نہ بھی ملا تو بھی ایک ایسی جگہ ہے جہاں اس کا بُرا بدلہ ملے گا، انسان کے دل میں بُرے اعمال سے بچنے کا خیال پیدا کرتا ہے چاہے اسے وہ تمام ذرائع اور وسائل حاصل ہوں جن سے وہ ایک گنہگار نہ زندگی بسر کر سکے۔

انبیاء کے بتائے ہوئے نظریہ آخرت کا انسانی سیرت سے گہرا تعلق ہے جن انسانوں کا یہ عقیدہ آخرت مضبوط ہوگا، ان کی سیرت اتنی ہی مضبوط ہوگی، اور جن کا یہ عقیدہ کمزور ہوگا ان کی سیرت اتنی ہی کمزور ہوگی۔ یہ عقیدہ مہلایوں کا مشتاق بناتا ہے، اور برائیوں سے نفور کرتا ہے اور اس دنیا کا سکھ آرام اور اس کی رونق اور خوشحالی بھی زیادہ تر اسی بات پر منحصر ہے کہ اس کے رہنے والے مہلایوں کے مشتاق ہوں اور برائیوں سے نفرت کریں۔

۱۵۷۷۲



انبیاء جو نظریہ سکھاتے رہے اس کی تفصیلات پر غور کرنے سے جن حقائق کا

پتہ چلتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کا دوام

۲۔ موت کی کیفیت۔

۳۔ عالم برزخ یا قبر کے احوال۔

۴۔ یوم قیامت اور اس کے احوال۔

۵۔ بہشت اور دوزخ۔

آئندہ صفحات میں انبیاء کے سکھائے ہوئے نظریہ آخرت کی تفصیلات ایک

ایک کر کے پیش کی جائیں گی۔

منش

# زندگی کی بے ثباتی

انسانی زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کے گھر کی پائیداری ایک ایسا موضوع ہے جس کے بارے میں کلام پاک اور احادیث میں بہت کچھ بتایا گیا ہے۔  
سورۃ المؤمن آیت نمبر ۳۹ میں بیان ہوا ہے:

”یہ دنیا تو بس عارضی فائدہ ہے اور جو آخرت ہے وہی پائیدار گھر ہے“  
سورۃ الماعلیٰ آیات نمبر ۱۶، ۱۷ میں فرمایا۔

”بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے“  
سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۶۴ میں فرمایا۔

”اور یہ دنیا کی زندگی تو نرا کھیل تماشا ہے اور بے شک جو کچھ گھر ہے حقیقت میں وہی زندگی ہے۔ کاش وہ اس بات کو جانتے“

ان آیات سے یہ مراد نہیں کہ دنیا کی زندگی چونکہ عارضی اور کھیل تماشا ہے اس لیے اسے چھوڑ کر ایک طرف ہو جاؤ۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ چونکہ یہ بہت چھوٹی ہے اور اس کے مقابلے میں آخرت کا گھر ہمیشہ رہنے والا اور بڑا پائیدار ہے اس لیے اس چھوٹی سی زندگی میں ایسے کام نہ کرنے بیٹھ جانا جس سے وہ ہمیشہ

رہنے والی دائمی زندگی خراب ہو جائے۔ کیونکہ اصل مقصود تو وہ دائمی زندگی ہی ہے۔ یہ چھوٹی سی دنیوی زندگی تو اس لیے عطا کی گئی کہ اس دائمی زندگی کے سامان کر لیں۔ اب اگر ہم اس چھوٹی سی زندگی ہی کو منزل مقصود بنا کر بیٹھ گئے تو پھر جب یہ ختم ہو جائے گی، اور وہ ہمیشہ رہنے والی زندگی شروع ہوگی جس کے لیے کچھ تیاری نہیں کی ہوگی تو پھر کیسی حسرت و ندامت ہوگی کہ ذریعے کو مقصود بنائے رہے۔ اور مقصود کو مھوٹے بیٹھے رہے۔

چنانچہ سورۃ الزخرف آیت نمبر ۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”اور (اچھی) آخرت تیرے پروردگار کے ہاں پر بہتر کاروں کے لیے ہے“

نیز سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۱ میں فرمایا:

”اور بے شک آخرت بلحاظ درجوں کے بھی بڑی ہے اور بلحاظ فضیلت بھی

بڑی ہے“

پھر سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۹ میں فرمایا:

”اور جس نے آخرت چاہی اور اس کے لیے کوشش کی، جیسا کہ اس کے لیے کوشش کرنے کا حق ہے اور وہ ایماندار ہوا تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی“

سورۃ القصص آیت نمبر ۸۳ میں فرمایا:

یہ کچھلا گھر ہے جسے ہم ان لوگوں کو دیں گے جو ملک میں نہ سرکشی چاہتے ہیں

اور نہ فساد اور انجام نیک متقیوں کا ہے“

سورۃ المؤمنون آیات ۱۱۲ تا ۱۱۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اللہ کہے گا تم زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے وہ کہیں گے کہ ہم

ایک دن رہے ہوں گے یا دن کا بھی کچھ حصہ۔ تو تو گننے والوں سے پوچھ

لے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم تو بہت ہی تھوڑا رہے، کاش کہ تم

جانتے ہوتے آئے

اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ درحقیقت دنیوی زندگی بڑی مختصر ہے۔ اپنی کوتاہیوں کے باعث ہم اسے نہ صرف لمبی بلکہ شاید دائمی ہی سمجھتے رہتے ہیں لیکن جب یہ ختم ہو جائے گی اور جب آخرت کے احوال پیش آئیں گے تو اس وقت اس کا مختصر ہونا صحیح طور پر ذہن نشین ہو جائے گا۔ پھر اس وقت تو یوں محسوس ہوگا گویا ایک دن یا شاید پورا دن بھی نہیں بلکہ دن کا کچھ حصہ رہے جیسے سورہ یونس آیت نمبر ۵۴ میں ارشاد ہوا ہے:

”اور جس دن وہ انہیں اکٹھا کرے گا ایسے معلوم ہوگا گویا وہ ایک

گھڑی دن سے زیادہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے“

سورہ النزعۃ آیت نمبر ۴۶ میں فرمایا ہے:

”جس دن وہ اسے دیکھیں گے، ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ (دنیا میں)

ایک شام یا اس کی صبح سے زیادہ نہیں ٹھہرے“

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو اس موضوع پر زریں ہدایات

دی ہیں۔

یحییٰ بن سعید نے اسمعیل سے سنا۔ اسمعیل نے قیس سے سنا۔ قیس کہتے ہیں کہ

میں نے مستورد کو جو بنو قہر کے بھائی تھے یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ خدا کی قسم دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے تم میں سے

کوئی اپنی اس انگلی کو سمندر میں ڈالے اور پھر دیکھے کہ وہ کتنا پانی لے کر لوٹی ہے۔

(یہ حدیث بیان کرتے ہوئے) یحییٰ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔

(مسلم)

حضور کی مراد ہے کہ جس طرح سمندر کے پانی کے مقابلے میں وہ چند قطرے

پانی جو انگلی کو لگ جاتا ہے کچھ حثیت نہیں رکھتا ایسے ہی یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلے میں بالکل بے حثیت ہے۔ اپنی مدت کے لحاظ سے بھی اور آرام و چین اور مسرت و سرور کے لحاظ سے بھی۔

ایک روح جب انسانی جسم کے لباس میں ایک دفعہ اس دنیا میں جنم لے لیتی ہے تو پھر اس کے سامنے ایک نہ ختم ہونے والی زندگی ہوتی ہے۔ یہ دائمی زندگی تین دوروں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس کا پہلا دور پیدائش سے لے کر موت تک چلتا ہے۔ موت کے بعد جسم تو مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے مگر روح اپنی زندگی کی دوسری سیٹیج میں داخل ہو کر اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ یہ وہ دور ہے جو جسمانی موت کے وقت سے لے کر قیامت کے برپا ہونے تک چلے گا۔ اسے عالم برزخ یا قبر کی زندگی کہتے ہیں۔ پھر جب قیامت برپا ہوگی تو انسان اپنی زندگی کے تیسرے دور میں داخل ہوگا۔ یہ قیامت سے شروع ہو جائے گا اور پھر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اس دور کے آخر میں نہ کوئی موت ہے نہ برزخ نہ کوئی اور قیامت۔ انسانی زندگی کا یہ آخری حصہ قائمی اور دائمی ہے اور اس سے کوئی نسبت ہی نہیں ان دو پہلے دوروں کو جو چاہے کتنے ہی بلے کیوں نہ ہو جائیں مگر ایک نہ ایک دن ختم ہونے ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہماری زندگی کی ان تینوں سیٹیجوں میں سے سب سے چھوٹی سیٹیج اور ناپائیدار سیٹیج وہ ہے جسے ہم سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اور ہماری زندگی کا کبھی نہ ختم ہونے والا حصہ وہ ہے جو قیامت کے بعد شروع ہوگا اور جو ہمیں باید و شاید ہی کبھی یاد آتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ایک اور بڑی دور رس نتائج رکھنے والی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ دنیوی زندگی انتہائی مختصر اور ناپائیدار ہے، اور قیامت کے بعد کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ مگر وہ

دائمی زندگی اسی صورت میں آرام دہ اور خوشگوار ہو سکتی ہے کہ اس دنیوی زندگی کو نیکو کاری اور پرہیزگاری سے لیسر کیا گیا ہو اور اگر ایسا نہ کیا گیا اور اس دنیوی زندگی میں کفر و نافرمانی اور ظلم و بددیانتی کا رویتہ اختیار کئے رکھا گیا، تو پھر ان چند دنوں کی من مانی اس نہ ختم ہونے والی زندگی کو عذاب اور آلام کی زندگی بنا دے گی۔

گویا کہ یہ دنیوی زندگی بیک وقت انتہائی بے حقیقت اور ساتھ ہی انتہائی اہم بھی ہے۔ بے حقیقت ان معنوں میں کہ بڑی مختصر اور ناپائیدار ہے۔ اور انتہائی اہم ان معنوں میں کہ اس پائیدار زندگی کا اچھا یا بُرا ہونا اسی ناپائیدار زندگی کے اعمال کے اچھا یا بُرا ہونے پر منحصر ہے۔ لہذا جب اللہ رب العالمین اور اس کے حبیب پاک دنیا کی بے حقیقتی کا ذکر کرتے ہیں یا اسے ”نرا کھیل تماشا“ یا ”عارضی فائدہ“ یا ”تھوڑا سا زوسامان“ یا ”ذلیل اور بے قیمت“ قرار دیتے ہیں تو اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہوتی کہ چونکہ یہ دنیا کھیل، تماشا، عارضی فائدہ یا ذلیل اور بے قیمت ہے اس لیے اسے چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ بلکہ یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ دنیا بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ مقصود کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس کی ذاتی دلکشی اور فائدہ بالکل معمولی ہے۔ اگر تم نے اسی کو مقصود بنا لیا تو پھر تو گویا تم بہت ہی معمولی اور ناپائیدار سا فائدہ لینے پر مطمئن ہو گئے۔ اس دنیوی زندگی کی اصل اہمیت اس حقیقت میں ہے کہ یہ آخرت کی زندگی سنوارنے کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اس سے وہی کام لیا جانا چاہیے جس سے پائیدار اور دائمی فائدہ حاصل ہو۔

ذیل کی احادیث دنیا کی ناپائیداری اور فی نفسہ حقیر ہونے کو ذہن نشین کرتی ہیں:

حضرت سہیل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ (کے میدان) میں تھے کہ اچانک ایک مردہ بکری نظر آئی جو

اپنا پاؤں اٹھائے ہوئی تھی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جسے سو کہ یہ بکری اپنے مالک کی نگاہ میں ذلیل ہے؛ (پھر فرمایا) پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جتنی یہ (مری ہوئی بے کار) بکری اپنے مالک کے نزدیک ذلیل ہے اس سے زیادہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا ایک پھر کے پر کے برابر بھی وزن رکھتی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کبھی اس میں سے کسی کافر کو ایک قطرہ (پانی) بھی نہ دیتا۔

(ابن ماجہ)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آدم کا بیٹا ہے اور یہ اس کی اہل ہے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنا ہاتھ اپنی گدھی (یعنی گردن کی پشت) کے پاس رکھا، پھر اسے پھیلایا اور فرمایا کہ اس کی امیدیں وہاں ہیں اور وہاں ہیں۔ (ترمذی)

حضور کی مراد یہ تھی کہ انسان کی موت اس کے بالکل قریب ہے مگر اس کی امیدیں اور آرزوئیں اتنی زیادہ اور اتنی دور دور تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ موت تو اس کی شہہ رگ کے قریب ہی کھڑی ہے۔ وہ اپنی انہیں لمبی لمبی آرزوؤں اور امیدوں میں گمن ہوتا ہے کہ موت اچانک اسے آلیتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہ گویا تو پردیسی یا مسافر ہے (اس کے بعد پھر) حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ جب شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب صبح ہو تو شام کا منتظر نہ رہ اور اپنی صحت کے زمانے میں اپنی بیماری کے زمانے کے لیے توشہ لے لے اور اپنی زندگی کے دوران اپنی موت کے لیے تیاری

کر لے۔ (بخاری)

مراد یہ ہے کہ دنیا میں دل لگا کر نہ بیٹھ جا۔ یاد رکھ کہ زندگی کا وقفہ بڑا مختصر ہے۔ جب صحت کی حالت ہو تو زیادہ سے زیادہ نیکیاں کما لے تاکہ بیماری کی حالت میں جب کچھ نہیں کر سکے گا تو اس کی کمی پوری ہو جائے اور جب تک زندگی ہے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کر لے تاکہ آخرت میں درجات ملیں۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کسی حصے کو پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہ گیا کہ تو پر دسی یا مسافر ہے اور اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کر (مجاہد کہتے ہیں کہ یہ حدیث سننے کے بعد) پھر حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ جب صبح ہو تو اپنے دل سے شام کی باتیں مت کر اور جب شام ہو تو اپنے دل سے صبح کی باتیں مت کر اور بیمار ہونے سے پہلے اپنی صحت میں سے توشہ لے لے اور موت آنے سے پہلے اپنی زندگی سے توشہ لے لے، کیونکہ اے خدا کے بندے، تو نہیں جانتا کہ کل تیرا کیا نام ہو گا، زندہ یا مردہ، نیک یا بد، خوش بخت یا بد بخت لہذا جب تک فرصت حیات میسر ہے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کر لے (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعرا رتے جو کچھ کہا ہے اس میں سب سے سچا بیت یہ ہے۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ

آگاہ رہو کہ خدا کے سوا ہر شے باطل ہے (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔ (مسلم)



دنیا کے مومن کا قیدخانہ ہونے کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ زندگی میں مومن اعمال نیک کرنے اور رضائے الہی حاصل کرنے کے لیے مشقتیں کرتا رہتا ہے اور موت کے بعد ایسی راحت اور امن و سکون کی زندگی حاصل کر لیتا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی پریشانی یا غم فکر نہیں ہوتا۔ لہذا اس راحت و وام کے مقابلے میں اس کی دنیا کی زندگی کو یا قیدخانہ ہے۔ اس کے برعکس کافر اس دنیوی زندگی میں نیکی اور رضائے الہی کے لیے مشقت بھی نہیں اٹھاتا۔ اور اگرچہ وہ بھی زندگی کے دکھ سکھ کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے تاہم جو ہونا ک عذاب اسے موت کے بعد ملتا ہے اس کے مقابلے میں اس کی دنیا کی زندگی کو یا بہشت ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کے پاس والے ایک گاؤں (العالیہ کے کسی حصے سے مدینہ منورہ کی طرف) آ رہے تھے۔ آپ بازار کے پاس سے گزرے اور آپ کے دونوں طرف لوگ تھے۔ آپ بکری کے ایک چھوٹے کانوں والے مردہ بچے کے پاس سے گزرے حضور نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے کان سے پکڑا پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اسے ایک درہم کے عوض لے لے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو اسے کسی بھی شے کے عوض لینا پسند نہیں کرتے اور ہم نے اسے کرنا ہی کیا ہے۔ حضور نے پوچھا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو بھی یہ عیب دار تھا۔ کیونکہ یہ چھوٹے کانوں والا ہے اور اب جب یہ ساتھ مرا ہوا بھی ہے تو ہم اسے لینا کیسے پسند کر سکتے ہیں اس پر حضور نے فرمایا کہ خدا کی قسم جتنا یہ بچہ تمہاری نگاہوں میں ذلیل ہے دنیا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس سے زیادہ

ذلیل ہے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سو گئے۔ پھر آپ اٹھے تو جسم مبارک پر چٹائی (کی بناوٹ) کے نشانات نمایاں تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم آپ کے لئے (ترم) بستر بچھا دیں (تو یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ چٹائی پر سوئیں اور وہ آپ کے جسم مبارک پر نشانات ڈال دے) آپ نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا تعلق ہیں تو دنیا میں اسی طرح ہوں جیسے ایک سوار (دوران سفر) سایہ حاصل کرنے کے لیے ایک درخت کے نیچے ٹھہرا، پھر اسے چھوڑ کر چل دیا۔ (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس روز خمی کو لایا جائے گا۔ جو اہل دنیا میں سے سب سے زیادہ خوش حال تھا، پھر اسے آگ میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی، کیا تجھ پر کبھی راحت گزری تو وہ جواب دے گا کہ نہیں خدا کی قسم اے میرے رب (میں نے کبھی راحت نہیں دیکھی) اور ایسے ہی (اس جنتی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب لوگوں سے زیادہ تکلیف میں رہا ہو گا۔ اور اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا پھر اسے کہا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی۔ کیا تجھ پر کبھی کوئی شدت گزری تو وہ کہے گا کہ نہیں، خدا کی قسم اے میرے رب۔ مجھ پر کبھی کوئی تکلیف نہیں گزری اور نہ میں نے کبھی کوئی شدت دیکھی۔ (مسلم)

اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے مراد یہ واضح کرنا ہے کہ دنیا کا عیش و آرام آخرت کے عیش آرام کے مقابلے میں بالکل عارضی اور انتہائی گھٹیا ہے۔ اور یہی حال دنیا کی تکلیف کا بھی ہے کہ وہ بھی آخرت کے عذاب کے

مقابلے میں انتہائی عارضی اور باسکل معمولی ہیں۔ لہذا وہ شخص جو دنیا میں انتہائی عیش و آرام میں رہا ہوگا، مگر ہوگا خدا کا نافرمان، وہ صرف ایک دفعہ جہنم میں غوطہ دیتے جانے کے بعد اپنی دنیوی آسائش و آرام کو اس طرح بھول چکا ہوگا کہ خدا کی قسم کھا کر کہے گا کہ میں نے تو کبھی کوئی آرام دیکھا ہی نہیں اور ایسے ہی جو شخص دنیا میں سب سے زیادہ تکالیف کا شکار رہا ہوگا، مگر ہوگا خدا کا فرمانبردار اسے جنت میں ایک ہی غوطہ دیا جائے گا تو وہ اپنے سارے دکھ درد اس طرح بھول جائے گا کہ خدا کی قسم کھا کر کہے گا کہ میں نے تو کبھی کوئی تکلیف دیکھی ہی نہیں۔

بزرگان دین نے بھی دنیا کی بے ثباتی اور اہمیت کے بارے میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی مسقئی محمد حسن صاحب فرماتے ہیں:

”دنیا میں رہنا بھی ایک نعمت ہے کہ جنت کا سامان حاصل کرنے کا یہاں موقع دیا جاتا ہے۔“

نیز فرمایا:

”تمام تمنائیں تو جنت میں ہی پوری ہوں گی۔ وہاں جو چاہو گے مل جائے گا دنیا میں تو تسلی ہوتی نہیں بلکہ تجلی ہوتی ہے۔“

فرمایا:

”لوگ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار، یہ غلط ہے۔ یہ اس کو نہیں دیکھتے کہ دنیا میں بھی ادھار کا معاملہ ہے۔ مثلاً زراعت کو دیکھیں کہ کتنی مشقت اور انتظار کے بعد غلہ آتا ہے۔ اسی طرح نوکری کو دیکھیں تجارت اور دکانداری کے حالات کو دیکھیں۔ کیا یہ نقد ہے؟ پھر دنیا میں جو کچھ عرصے کے بعد ملتا ہے وہ احتمالی اور غیر یقینی ہوتا ہے اور

آخرت میں جو ملے گا وہ یقینی ہوگا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے بارے میں اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ مسلمان دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنا شروع کر دیں اور اس طرح اس میں پھنس کر رہ جائیں۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث بیان ہوئی جس کے آخر میں حضور کا یہ ارشاد ہے :

”..... خدا کی قسم مجھے تمہارے معاملے میں مفلسی کا خوف نہیں، بلکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر اس طرح کشادہ ہو جائے جس طرح ان پر ہوئی تھی جو تم سے پہلے گزرے۔ پھر تم اسے بے طرح چاہنے لگو جس طرح انہوں نے اسے چاہا تھا (جو تم سے پہلے گزرے) اور (نتیجہ یہ ہو کہ) وہ تمہیں ہلاک کر دے جس طرح اس نے ان (پہلوں) کو ہلاک کیا تھا۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم بیت اللہ کی طرف جا رہے تھے آپ پیادہ پاتھے۔ راستے میں ایک ناقہ سوار اعرابی ملا اور پوچھنے لگا کہ اے شیخ کدھر کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ بیت اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔ اعرابی بولا: ”اتنا لمیا سقر اور آپ کے پاس کوئی سواری نہیں۔ منزل کیسے طے ہوگی؟“

فرمایا: ”میرے پاس کئی سواریاں ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتیں۔ جب بلاؤں کا ہجوم ہوتا ہے تو صبر کی سواری کر لیتا ہوں۔ نعمتیں ملتی ہیں تو شکر کے گھوڑے پر چڑھ جاتا ہے۔ قضا نازل ہوتی ہے تو رخصا کے اونٹ پر سوار ہو جاتا ہوں اور جب نفس کسی چیز کے لیے بلاتا ہے تو سمجھ جاتا ہوں کہ عمر زیادہ گئی اور تھوڑی باقی رہ گئی۔“



# موت اور جنازہ

موت وہ مرحلہ ہے جس سے ہر ذی روح کو لازماً گزرنا ہے۔ جو ایک دفعہ پیدا ہو گیا اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس پر یہ بھی لازم ہو گیا کہ ایک دن ایک دن موت کی گھاٹی ضرور عبور کرے گا۔ قرآن مجید اور حدیث پاک میں موت کا ذکر بھی بکثرت کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں سورۃ الانبیاء آیت ۳۵ میں فرمایا ہے :

” ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی میں پھالتس کر آزماتے ہیں ، اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے “

سورۃ الزمر آیت ۳۰ میں ارشاد ہوا ہے :

” (اے نبیؐ) کچھ شک نہیں کہ تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ “

سورۃ الرحمن آیت ۲۶ میں فرمایا :

” ہر ایک جو زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے “

سورۃ الاعراف آیت ۳۴ میں فرمایا :

” اور ہر گروہ کے لیے ایک میعاد معین ہے تو جس وقت ان کی میعاد معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ “

سورۃ ق آیت ۱۹ میں ارشاد فرمایا :

” اور موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی ہے۔ یہ وہ (حقیقت) ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ “

سورۃ المؤمنون آیت ۹۹، ۱۰۰ میں بیان ہوا ہے :

” یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے (دنیا میں) پھر واپس بھیج تاکہ میں اس جگہ جسے چھوڑ کر آیا ہوں نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں تو ایک بات ہے جو وہ کہے گا۔۔۔۔۔ “

موت کے بارے میں ایک اہم بات جو بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان کی موت جس جگہ واقع ہونی سے اور جس وقت واقع ہونی وہ خدا کے ہاں معین ہو چکا اور اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

سورۃ نوح آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

” بے شک جب اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت آ جاتا ہے تو وہ پیچھے نہیں ہٹایا جاتا۔ کاش کہ تم جانتے ہوتے۔ “

موت کے وقت اور جگہ کے معین ہونے کے عقیدے نے مسلمانوں میں بے پناہ بہادری پیدا کر دی تھی۔ چونکہ ان کے دل کی گہرائیوں میں یہ عقیدہ

روح بس چکا تھا کہ خطرات میں کود پڑنے سے موت بہتیں آیا کرتی بلکہ موت تو اس وقت آئے گی جب اس نے آنا ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نڈر ہو کر اپنے سے کئی کئی گنا زیادہ شکروں سے بھر جایا کرتے تھے اور آخر قیاب ہو جاتے تھے۔

سورۃ احزاب آیت نمبر ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

” (اے نبیؐ) کہہ دے کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگو، تو یہ بھاگنا تمہیں ہرگز نفع نہیں دے گا۔ اور اس وقت تمہیں تھوڑا ہی فائدہ پہنچایا جائے گا۔“

کلام پاک کی طرح احادیث نبوی میں بھی موت اور جنازے کا وضاحت سے ذکر فرمایا گیا ہے تاکہ مسلمان اسے یاد رکھیں اور یہ یاد انہیں برائیوں سے روکتی ہے ذیل کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کس دانش مندانہ طریقے سے اہل اسلام کو موت کی یاد دلاتے رہے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ موت ہر وقت انسان کے قریب ہوتی ہے۔ زندگی ایک ایسی شے ہے جس کی کچھ ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ ایک لمحہ گزر رہا ہے خدا معلوم دوسرا آئے گا یا نہیں آئے گا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لکیریں کھینچیں (اور) پھر فرمایا کہ یہ (انسان کی لمبی لمبی) آرزوئیں ہیں اور یہ اس کی موت ہے (جو اس کے بالکل قریب ہے) پس وہ اسی طرح (امیدوں اور آرزوؤں کی حالت میں) ہوتا ہے کہ قریبی لکیر (یعنی موت) اسے آلتی ہے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (چار لکیریں کھینچ کر) ایک مربع شکل بنائی اور اس کے وسط میں ایک لکیر کھینچی جو اس (مربع) سے باہر نکلی ہوئی تھی اور وسطی لکیر کے اس حصے کے ساتھ جو (مربع کے



اندر تھا چھوٹی چھوٹی (اور) لکیریں کھینچیں یہ شکل یوں بن گئی ﴿﴾ (پھر حضور نے فرمایا کہ یہ (وسطی لکیر کا مربع کے اندر کا حصہ) تو انسان ہے اور یہ (مربع کی چار لکیریں) اس کی موت ہے جس نے اُسے (چاروں اطراف سے) گھرا ہوا ہوا ہے اور (وسطی لکیر کا) یہ (حصہ) جو مربع سے) باہر نکلا ہوا ہے اس کی (مسی امیدیں اور) آرزوئیں ہیں۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں (جو وسطی لکیر کے اس حصے کے ساتھ کھینچی ہوئی ہے جو مربع کے اندر ہے یہ وہ) آفتیں ہیں (جن میں انسان مبتلا ہوتا رہتا ہے) کہ اگر ایک سے بچ جاتا ہے تو دوسری آ پڑتی ہے اور اگر اس سے بچ نکلتا ہے تو کوئی اور اُسے آگھرتی ہے۔

(بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب مومن کی روح (اُس کے جسم سے) نکلتی ہے تو دو فرشتے اسے ملتے ہیں اور اسے اوپر چڑھا لے جاتے ہیں تو آسمان والے کہتے ہیں کہ ایک پاک روح زمین کی طرف سے آئی ہے (پھر وہ اس روح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے نیک روح) اللہ رحمت نازل فرمائے تجھ پر بھی اور اس جسم پر بھی جسے تو آباد رکھتی تھی۔ پھر اس روح کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جایا جاتا ہے تو وہ (اس کے بارے میں) فرماتا ہے کہ اسے آخری میعاد (یعنی قیامت) تک کے لئے (سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی کی طرف) لے جاؤ اور کافر کی روح جب (اس کے جسم سے) نکلتی ہے (تو اُسے بھی اسی طرح اوپر چڑھا لے جایا جاتا ہے) تو آسمان والے کہتے ہیں کہ ایک خبیث روح زمین کی طرف سے آئی ہے۔ پھر اس کے بارے میں) حکم دیا جاتا ہے کہ اسے آخری میعاد (یعنی قیامت) تک کے لئے (سَجِّین میں) لے جاؤ۔ حضرت ابوہریرہؓ (یہ بھی) بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (خبیث روح کی بدبو ظاہر

کرنے کے لیے) اس اکبری چادر کو جو آپ اوڑھے ہوئے تھے اس طرح اپنی ناک سے لگایا۔

(اس حدیث کے ایک راوی) حماد بیان کرتے ہیں کہ (ان کے استاد بدیل نے جب یہ حدیث ان سے بیان کی اور مومن کی روح کے اوپر چڑھنے کے لیے جلتے کا ذکر کیا تو) پھر انہوں نے مومن کی روح کی عمدہ خوشبو کا ذکر کیا اور مشک کا ذکر کیا (ایسے ہی) حماد (یہ بھی) بیان کرتے ہیں کہ بدیل نے جب کافر کی روح کے اس کے جسم سے نکلنے کا ذکر کیا تو) اس روح کی بدبو کا ذکر کیا اور لعنت کا ذکر کیا۔ (مسلم)

اس حدیث کے سلسلے میں جن راویوں کا ذکر آتا ہے ان میں ایک مشہور راوی حماد بھی ہیں۔ جنہوں نے یہ حدیث بدیل سے سنی تھی۔ حماد کے بارے میں جو حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ان کے استاد بدیل نے ان سے یہ حدیث بیان کرتے وقت مومن کی روح کی عمدہ خوشبو کا ذکر کیا اور مشک کا ذکر کیا تو اس کا مفہوم بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بدیل نے کہا کہ مومن کی روح مشک کی سی خوشبو دار ہوتی ہے۔ ایسے ہی حماد نے یہ جو بیان کیا ہے کہ بدیل نے کافر کی روح کی بدبو کا ذکر کیا اور لعنت کا ذکر کیا تو اس کا مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کافر کی بدبو دار روح کو لعنت زدہ قرار دیا۔ یا اس پر لعنت کی یا بتایا کہ اہل آسمان نے اس پر لعنت کی۔ پھر دونوں روحوں کے بارے میں یہ جو بیان ہوا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے بارے میں فرمایا جاتا ہے کہ اسے آخری مبعاد تک لے جاؤ اس کی تشریح یہ بتائی گئی ہے کہ مومن کی روح کو قیامت تک کے لیے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جاتا ہے اور کافر کی روح کو سجدین میں لے جانے کا

سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک بیری ہے جو عرشِ الہی کے دائیں جانب ہے۔ یہ فرشتوں وغیرہ کی پہنچ کی آخری حد ہے۔ اس سے آگے وہ نہیں جاسکتے اور سجدتین کا مطلب ہے قید خانہ۔ یہ دوزخ کی ایک وادی ہے۔ اس کے علاوہ وہ حبسِ بھی جس میں عذاب کے مستحق لوگوں کے نام وغیرہ درج کئے جاتے ہیں سجدتین کہلاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس نے میرے دوست کے ساتھ دشمنی کی میرا اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور جب میرا بندہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان اعمال کو بجالاتا ہے جو میں نے اس پر فرض کئے ہیں تو یہ شے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور جب میرا بندہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان اعمال کو بجالاتا رہتا ہے جنہیں نوافل کی حیثیت حاصل ہے تو پھر میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں پھر جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں وہ شے اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے اپنی پناہ بھی ضرور دیتا ہوں۔ اور جو کوئی کام بھی میں کرتا ہوں اسے کرنے میں مجھے اس طرح تردد (یعنی تاہل یا توقف) نہیں ہوتا جس طرح مومن کی جان لینے کے بارے میں تردد ہوتا ہے (کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ اسے کوئی بُرائی پہنچے) (بخاری)

اس حدیث قدسی کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و رافت اور لطف و مہربانی کا ذکر ہے جو وہ اپنے مومن بندے پر فرماتا ہے۔ پہلے یہ

جو فرمایا گیا ہے کہ میں اس کا کان اور آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ مومن ان چاروں اعضاء سے کام لے کر جتنے کام بھی کرتا ہے میں ان میں اس کی رہنمائی کرتا ہوں اور ان میں خیر و برکت عطا کرتا ہوں اور آخر میں جو فرمایا گیا ہے کہ مجھے مومن کی جان لینے میں تردد ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے لفظ ”تردد“ صرف مثال کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جو کچھ بیان کرنا مقصود ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب مومن کی جان نکلنے لگتی ہے تو بقاضائے بشریت وہ موت اور موت کی تکالیف کو ناپسند کرتا ہے لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے دنیا کی تکالیف اور پریشانیوں سے بچا کر اپنے پاس لے آؤں جہاں اس کے لیے ابدی انعامات ہیں۔ لہذا صورت یہ ہو جاتی ہے کہ ایک طرف تو مومن موت کو ناپسند کرتا ہے اور دوسری طرف موت ذریعہ ہوتی ہے اس کے دنیاوی آفات سے بچ کر ابدی راحت و آرام حاصل کرنے کا۔ اور میں ان دونوں باتوں کے درمیان گویا متردد ہو جاتا ہوں کہ مومن پر موت وارو کی جائے یا نہ کی جائے کیونکہ یہ تو موت کو ناپسند کرتا ہے مگر فائدہ اس کا مرجانے ہی میں ہے۔ جیسے کہ بیان ہو چکا یہ بات کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ مومن پر حد درجے مہربان ہے اور کسی بھی ایسی بات کو پسند نہیں کرتا جو مومن کے لیے تکلیف دہ ہو یا جس سے وہ تکلیف محسوس کرے۔ بعض علماء نے اس کی تشریح اس طرح بھی کی ہے کہ مومن چونکہ موت اور موت کی تکالیف کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس پر حد درجے مہربان ہوں اور نہیں چاہتا کہ اسے تکلیف ہو اس لیے میں اس کی جان بہت آہستگی سے نکالتا ہوں کہ اسے تکلیف نہ ہو وَاَحْتَدُّ اَعْنُكُمْ بِالْحَقِّ وَالْحَقِّ۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میت کے پاس جاؤ تو بھلی بات کہو (یعنی اچھی دعا کرو) کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب (میرے

پہلے شوہر) ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں (اس وقت) کیا کہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو ریوں کہہ کہ اے خدا، اسے بخش دے۔ اور میں اس کا بہتر بدلہ عطا فرما۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہؓ کے بدلے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمادئے کیونکہ بعد میں حضورؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کر لیا اور وہ ام المؤمنین بن گئیں، (ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مرنے والوں کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تلقین کرو دتا کہ ان کا آخری کلام توحید و رسالت کا اقرار ہو، (مسلم)

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کا آخری کلام لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا کیونکہ وہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوا۔ (ابوداؤد)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی وفات سے تین دن پہلے فرماتے سنا کہ تم میں سے ہر ایک اسی حالت میں مرے کہ وہ اللہ سے اچھا گمان رکھتا ہو یعنی اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتا ہو۔ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو، (ابوداؤد)

بنو امیہ کے مشہور دیندار خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے حالات میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ موت کو اکثر یاد کرتے تھے۔ آپ کے ہاں رات کو فقہاء جمع ہو کر موت اور قیامت کا ذکر کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ موت کے خوف سے رات رات بھر جاگا کرتے تھے اور اس پر غور و فکر کرتے تھے بولے: "قبر اور اہل قبر کے متعلق تم اگر مردے کو تین دن کے بعد قبر میں ایک دن انہوں نے اپنے ایک ہم نشین سے کیا کہ میں غور و فکر میں رات بھر جاگتا رہا، اس نے پوچھا کہ آپ کسی چیز کے متعلق غور و فکر کرتے تھے۔"

دیکھو تو باوجود اس کی مواسست کے تم اس کے پاس جانے سے وحشت زدہ ہو گے۔  
حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے نظام سلطنت کی بنیاد خوفِ موت پر قائم کر رکھی  
تھی۔ انہوں نے صرف چند سال ہی حکومت کی تھی اور ان چند سالوں میں اس قدر  
اصلاحات ہوئی تھیں کہ حکومت کی کایا پلٹ ہو گئی تھی اور رعایا بہت خوش حال ہو گئی  
تھی۔ یہ سب کچھ جو انہوں نے کیا خدا کے ڈر، قیامت کے مواخذے اور موت  
کے خوف سے کیا۔

## جنازہ

اسلامی شریعت میں اس بات کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وفات کے بعد میت  
کو اچھی طرح غسل دیا جائے پاک صاف کفن میں لپیٹا جائے اور اس پر نماز جنازہ  
پڑھی جائے اور اس کے بعد اسے خاک کے سپرد کر دیا جائے۔ ذیل کی احادیث  
کا انہیں امور سے تعلق ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں تو  
اگر وہ رمیت (نیک ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ مجھے آگے لے چلو۔ اور اگر وہ نیک  
نہیں ہوتی تو کہتی ہے کہ ہاٹے میری کم بختی، تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو۔ اس کی  
آواز انسان کے سوا ہر شے سنتی ہے اور اگر انسان اسے سن لے تو درہشت  
اور خوف کی شدت کے باعث، غش کھا کر گر پڑے۔

(بخاری)

یہ وہ انجام ہے جس سے ہر نیک و بد نے لازماً دوچار ہونا ہے۔ جن لوگوں  
نے اس وقت کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرتے رہے وہ تو مطمئن دل

کے ساتھ اس کا استقبال کریں گے اور کہیں گے ہاں ہمیں آگے لے چلو، ہم تو جانتے ہی تھے کہ ایک دن ہم نے وہاں جانا ہے۔ مگر جو فانی زندگی کو مقصود بناتے ہوئے فرصت حیات کے قیمتی لمحات کو خدا کی نافرمانی میں بسر کرتے رہے تھے اور بھولے سے بھی کبھی اس نہ ٹلنے والی گھڑی کو یاد نہیں کیا تھا وہ جب اس انجام کو پہنچیں گے اور دیکھیں گے کہ لوگ تو ہمیں قبر کے حوالے کر آنے کے لیے لے جا رہے ہیں تو وہ چلا اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کم سختی، ہمیں کہاں لیے جا رہے ہو!!

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مر جائے تو اس کے جنازے کو جلدی سے لے جاؤ کیونکہ اگر وہ میت نیک ہے تو وہ ایک بھلائی ہے جسے تم آگے بھیج رہے ہو لہذا اسے جلدی آگے بھیجو، اور اگر وہ میت اس کے سوا ہے (یعنی بُرے اعمال کرتی رہی ہے) تو وہ ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو لہذا اسے جلدی سے اتار دو) (بخاری)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی میت پر مسلمانوں کا ایک گروہ جن کا عدد ستو تک پہنچتا ہو نماز پڑھے اور اس کی بخشش کے لیے، سفارش کرے تو اس کے حق میں ان کی سفارش قبول ہوگی۔ (نسائی)

حضرت مالکؓ بن ہبیرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میت بھی وفات پائے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت) واجب کر دیتا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مالکؓ جب دیکھتے کہ نماز جنازہ پڑھنے والے لوگ کم ہیں تو اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے تین صفوں میں تقسیم

کر دیتے۔

(ابوداؤد)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسلمان بھی مر جائے اور پھر اس کے جنازے پر چالیس ایسے آدمی (نماز پڑھنے) کھڑے ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں تو اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول کی جائے گی۔

(ابوداؤد)

نماز جنازہ پڑھنے والوں کے عدد کے بارے میں یہاں تین احادیث بیان ہوئی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں ستواڑیوں کا ذکر ہے حضرت مالک بن انسؓ کی حدیث میں تین صفوں کا ذکر ہے اور اس حدیث میں چالیس ایسے انسانوں کا ذکر ہے جو شرک نہ کرتے ہوں۔ ان احادیث سے جو کچھ مقصود ہے وہ یہ ہے کہ کسی میت پر نماز جنازہ کا پڑھا جانا اور لوگوں کا میت کی بخشش کے لیے دعا کرنا میت کی بخشش کا باعث بنتا ہے۔ اگر چالیس آدمی بھی نماز پڑھ لیں جو شرک نہ کرتے ہوں یا تین صفیں ہی ہو جائیں تو میت کو فائدہ پہنچ جائے گا۔ باقی رہا ستواڑیوں کا نماز پڑھنا تو اگر چالیس کے نماز جنازہ پڑھنے اور بخشش کی دعا کرنے سے میت کی بخشش ہو جائے گی تو پھر ستواڑیوں کی بخشش مانگنے سے تو انشاء اللہ بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنازے کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے تو اس شخص کو ایک قیراط (ثواب) ملے گا اور جو شخص کسی جنازے کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اس میت کو دفن کر دیا جائے تو اس شخص کو (ثواب کے) دو قیراط ملیں گے۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ دو قیراط کیا ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ (وہ دو قیراط) دو عظیم الشان پہاڑوں کی مانند ہیں یعنی جو شخص کسی میت کے



دفن کر دیے جانے تک اس کے ساتھ رہے اُسے دو عظیم الشان پہاڑوں کے  
برابر ثواب ملے گا (نسائی)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی تعریف  
کی اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ اور ایک دوسرا  
جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس (میت) کو بُرا کہا اس پر (بھی) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ پر میرے مال  
باپ قربان ہوں ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کی تعریف کی تو آپ نے  
فرمایا کہ واجب ہو گئی اور ایک (دوسرا) جنازہ گزرا۔ لوگوں نے اس (میت) کو  
بُرا کہا تو (بھی) آپ نے (یہی) فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ جس میت  
کی تم لوگوں نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جس میت کو تم  
لوگوں نے بُرا کہا اس کے لیے دوزخ واجب ہو گئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے  
گواہ ہو۔ (نسائی)

بات یہ ہے کہ عموماً انسان اپنے اعمال ہی کی بنا پر معاشرے میں اچھا یا  
بُرا مشہور ہوتا ہے اور اس کی یہ شہرت موت کے بعد بھی کچھ دیر تک یا زیادہ  
عرصے تک قائم رہتی ہے جو شخص دنیا سے چلا گیا وہ اب کسی کو کوئی فائدہ نہیں  
پہنچا سکتا کہ انسان اس فائدے کو حاصل کرنے کے لیے اس کی تعریف کرے۔ لہذا  
کسی شخص کے مرجانے کے بعد اگر کوئی اس کی تعریف کر رہا ہے تو اسی لیے کر رہا  
ہے کہ اس نے زندگی میں اچھے کام کیے ہوں گے ایسے ہی جو مر چکا ہے وہ اب کسی  
کو کوئی تکلیف بھی نہیں دے رہا، پھر بھی اگر اسے بُرا کہا جا رہا ہے تو اسی لیے  
کہا جا رہا ہے کہ زندگی میں بُرے کام کر کے وہ بُری شہرت حاصل کر چکا ہوگا۔  
اکثر یہی ہوتا ہے کہ عوام کا عام طور پر کسی کو بُرا کہنا دلیل ہوتا ہے اس بات کی

کہ وہ شخص بُرا ہے اور عوام کا عام طور پر کسی کو اچھا کہنا دلیل ہوتا ہے اس بات کی کہ وہ اچھا ہے یہی مطلب حضور کے اس فرمان کا کہ تم زمین پر خدا کے گواہ ہو۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ مر چکے ہوں انہیں بُرا مت کہو کیونکہ جو کچھ انہوں نے (اپنے لیے) آگے بھیجا ہے وہ اس کو پیچ چکے ہیں یعنی زندگی میں اگر بُرائی کی تھی تو اب اس کے انجام سے دوچار ہیں اب تمہارے انہیں بُرا کہنے کی کیا ضرورت ہے (نسائی)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی مُردے کا ذکر بُرائی سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے مُردوں کا ذکر بھلائی ہی سے کیا کرو۔ (نسائی)

# قبریا عالم برزخ

موت کے مرحلے سے گزرنے کے بعد انسان کو قبر کا مرحلہ پیش آتا ہے۔ انسانوں کی اپنی اپنی وفات سے لے کر قیامت برپا ہونے تک انسانی روہیں جہاں رہیں گی اسے عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ احادیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں بھی عذاب اور راحت موجود ہے جن لوگوں نے دنیوی زندگی میں کفر و نافرمانی کا رویہ اختیار کیے رکھا ہوگا ان کا عذاب عالم برزخ یعنی قبر ہی سے شروع ہو جائے گا اور جو دنیا میں سیدھی راہ پر چلتے رہے ہونگے ان کے لیے قبر کی زندگی ہی راحت، آرام اور آسائش کی زندگی ہو جائے گی۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل احادیث پڑھ لینی کافی ہوں گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت جب قبر میں جاتی ہے تو نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ نہ اس کو بول ہوتا ہے اور نہ کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کس دین پر تھا۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں اسلام پر تھا۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ شخص کون ہیں یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، تو وہ جواب

دیتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اللہ کے ہاں سے ہمارے پاس  
 روشن نشانیاں لے کر آئے، لہذا ہم نے ان کی تصدیق کی۔ پھر اس سے پوچھا  
 جاتا ہے کہ کیا تو نے خدا کو دیکھا ہوا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ کسی (انسان)  
 کے یہ لائق نہیں کہ وہ خدا کو دیکھے۔ پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک کھڑکی  
 کھولی جاتی ہے تو وہ دوزخ کو دیکھتا ہے کہ اس کے مختلف حصے ایک دوسرے  
 کو توڑ رہے ہیں پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف دیکھ جس سے خدا  
 نے تجھے بچا لیا ہے۔ پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے  
 تو وہ اس کی تروتازگی کو اور جو کچھ (نعمتیں) اس میں ہیں انہیں دیکھتا ہے پھر اس  
 سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مکان۔ اور اسے کہا جاتا ہے کہ تو یقین پر ہی (زندہ)  
 رہا اور یقین ہی پر مرا اور انشاء اللہ (حشر کے دن) یقین ہی پر اٹھایا جائے  
 گا اور بڑے شخص کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو وہ (سخت) ڈرا ہوا اور پریشان  
 ہوتا ہے پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کس دین پر تھا تو وہ کہتا ہے  
 کہ میں نہیں جانتا۔ پھر اس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے  
 میں (پوچھا جاتا ہے کہ یہ شخص کون ہیں۔ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں خود تو کچھ  
 جانتا نہیں) میں نے لوگوں کو کچھ بات کرتے سنا تھا، پس میں (بھی) وہی کہنے لگا  
 پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس کی تروتازگی  
 کو اور جو کچھ (نعمتیں) اس میں ہیں انہیں دیکھتا ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ اس  
 کی طرف دیکھ جس سے خدا نے تجھے محروم کر دیا ہے۔ پھر اس کے لیے دوزخ کی  
 طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے اور وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ اس کے مختلف  
 حصے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مکان  
 تو شک ہی پر (زندہ) رہا، شک ہی پر مرا اور انشاء اللہ (حشر کے دن) شک  
 ہی پر اٹھایا جائے گا۔

(ابن ماجہ)

”تو یقین ہی پر رہا اور یقین ہی پر مرا اور انشاء اللہ یقین ہی پر اٹھایا جائے گا“ سے مراد ہے کہ تجھے اللہ کی ذات و صفات پر بھی یقین تھا اور ان سب حقائق پر بھی یقین تھا جن پر یقین رکھنے کا خدا نے حکم فرمایا ہوا ہے۔ لہذا جو یقین تمہیں زندگی کے دوران اور موت کے وقت حاصل تھا وہی تمہیں اس دن بھی حاصل ہوگا۔ جب تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور یہ یقین تمہارے لیے نیک انجامی کا باعث بنے گا۔ ایسے ہی ”تو شک ہی پر رہا اور شک ہی پر مرا اور انشاء اللہ شک ہی پر اٹھایا جائے گا“ کا مطلب بھی یہی ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، رسالت، آخرت وغیرہ ان سب امور کے بارے میں شک و راجح پر یقین رکھنے کا خدا نے حکم فرمایا تھا، پھر اسی شک کی حالت میں تو مر گیا۔ لہذا اب جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو بھی تو شک کی حالت میں ہوگا اور یہ شک تیرے لیے عذاب کا باعث بنے گا۔

فاطمہ (نسبت منذرہ) اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جب سورج کو گرہن لگا تو میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ دیکھا تو لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ بھی نماز پڑھ رہی تھیں۔ یہ نماز جو وہ سب پڑھ رہے تھے نماز خسوف تھی جو سورج گرہن کے موقع پر پڑھی جاتی ہے، میں نے کہا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ یہ بے وقت کی نماز کیسی ہے؟ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا سبحان اللہ میں نے پوچھا کہ کیا یہ کوئی نشانی ہے؟ حضرت عائشہؓ نے (سر سے) اشارہ کیا کہ ہاں۔ پھر میں بھی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ نماز بہت لمبی پڑھی گئی، یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی تو میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی پھر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو

اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور اس کی خوبی بیان کی پھر فرمایا کہ کوئی بھی شے جو میں نے آج تک نہیں دیکھی تھی اسے میں نے لایا، اپنے اس مقام پر (کھڑے کھڑے) دیکھ لیا ہے۔ یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کو بھی (دیکھ لیا ہے) اور میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم لوگ قبروں میں آزمائے جاؤ گے۔ یہ آزمائش اسی طرح کی ہوگی جیسی دجال کے آنے پر ہوگی یا اس کے قریب قریب ہوگی۔ فاطمہ بنت منذر کہتی ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ حضرت اسماءؓ نے ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات کہی (آیا یہ کہا کہ یہ آزمائش دجال کی آزمائش جیسی ہوگی یا یہ کہا کہ اس کے قریب قریب ہوگی۔ بہر حال حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کے پاس (فرشتے آئیں گے اور اس سے میرے بارے میں) پوچھا جائے گا کہ ان شخص کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔ پھر جو مومن ہو گا یا یقین کرنے والا ہو گا، یہاں پھر فاطمہ بنت منذر کہتی ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ حضرت اسماءؓ نے ”مومن“ کہا تھا یا ”یقین کر نوالا“۔ وہ تو کہے گا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ ہمارے پاس روشن نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے، پس ہم نے ان کی بات مان لی اور ایمان لے آئے اور (ان کی) پیروی کی۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو آرام سے سو جا۔ ہم نے جان لیا ہے کہ تو یقین رکھنے والا ہے اور جہاں تک منافق کا تعلق ہے یا شک کرنے والے کا ہے۔ یہاں پھر فاطمہ بنت منذر کہتی ہیں کہ مجھے معلوم نہیں حضرت اسماءؓ نے منافق کہا یا شک کرنے والا کہا۔ تو وہ کہے گا کہ میں نہیں جانتا میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تو میں بھی وہی کہنے لگا۔

(بخاری)

ان احادیث میں جو کچھ واضح کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان قبر میں پہنچے گا تو اس کے پاس فرشتے آئیں گے جو اس سے اللہ تعالیٰ کے بارے

میں اور دین اسلام کے بارے میں اور حضور کے بارے میں سوال کریں گے۔  
 جو شخص دنیا میں ایمان والا رہا ہو گا وہ درست جواب دے گا اور قیامت قائم ہونے  
 تک آرام میں رہے گا اور جو دنیا میں کفر اور شک کا شکار رہا ہو گا وہ درست  
 جواب نہیں دے سکے گا اور قیامت قائم ہونے تک سخت قسم کے عذاب کا شکار  
 رہے گا۔ اس کے علاوہ حدیث میں فاطمہ بنت منذر جو بار بار کہتی ہیں کہ  
 مجھے معلوم نہیں کہ حضرت اسماءؓ نے یہ کہا تھا یا وہ کہا تھا یہ وہی بات ہے جو  
 پہلے بیان ہو چکی کہ حدیث کو روایت کرنے والوں میں سے دیندار اور ذمہ دار  
 لوگ حدیث کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اگر کسی لفظ یا  
 جملے کے بارے میں شک پڑ جاتا تھا تو واضح کر دیتے کہ ہمیں ٹھیک طرح یاد  
 نہیں رہا یا تو یہ کہا گیا تھا یا وہ کہا گیا تھا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی،  
 اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور پھر انہیں دُعا دی کہ خدا آپ کو قبر کے  
 عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے اس پر حضرت عائشہؓ نے رسول خدا صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے عذاب قبر کے بارے میں سوال کیا تو حضور نے فرمایا کہ ہاں  
 قبر میں عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد میں  
 نے نہیں دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور (اس میں)  
 قبر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ہر صبح اور ہر شام اسے اس کا  
 ٹکنا دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے تو جنت میں اس کا

مقام) اور اگر دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو (دوزخ میں اس کا مقام) اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تمہارا لکانہ (اس کا انتظار کرو) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن اٹھائے (اور پھر تمہیں یہ لکانہ دے دے)  
(بخاری)

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ برزخ یعنی قبر میں بھی راحت اور عذاب ہوتا ہے۔ اس حدیث میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ نیک لوگوں کے لیے عالم برزخ میں یہ بھی ایک بڑی مسرت کی بات ہوگی کہ ہر صبح اور ہر شام انہیں ان کا جنت والا لکانہ دکھایا جایا کرے گا اور خوش خبری دی جایا کرے گی کہ قیامت کے دن جب تم اٹھائے جاؤ گے تو یہ راحت اور سرور والا لکانہ تمہیں دے دیا جائے گا ایسے ہی خدا کے نافرمانوں کے لیے عالم برزخ میں یہ بھی ایک بڑی اذیت کی بات ہوگی کہ ہر صبح اور ہر شام انہیں ایک ہولناک مقام دکھایا جایا کرے گا اور اطلاع دی جایا کرے گی کہ انجام کار تم نے یہاں پہنچا ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو سورج اسے ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے غروب ہونے کے قریب ہو (پھر اگر وہ شخص دنیا میں نماز پڑھنے والا تھا) تو وہ آنکھیں ملتا بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو، میں نماز پڑھوں۔

(ابن ماجہ)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینے یا مکے کے باغوں میں سے کسی باغ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑی بات پر نہیں دیا جا رہا



پھر آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں (وہ بات بڑی ہی ہے) ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے نہیں بچا کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک ہری ڈالی منگوائی اور اسے توڑ کر دو ٹکڑے کیا اور ان دونوں قبروں میں سے ہر ایک پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ، آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ امید ہے کہ جب تک یہ دونوں ٹکڑے خشک نہ ہو جائیں

(بخاری)

ان پر عذاب کم رہے گا۔

حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بن عفان جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو رونے لگتے یہاں تک کہ آپ کی ڈھارٹی تر ہو جاتی آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس بات پر روتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے پس اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہوں گی اور اگر کوئی اس سے نجات نہ پاسکا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی (نیز) آپ نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جتنے بھی (ہولناک) منظر میں نے دیکھے ہیں قبر ان سب سے زیادہ ہولناک ہے۔

(ابن ماجہ)

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں تھے، حضورؐ قبر کے کنارے پر بیٹھ گئے اور رونے لگے یہاں تک کہ (آپ کے آنسوؤں سے) مٹی گیلی ہو گئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے میرے بھائیو

(ابن ماجہ)

اس جسی کے لیے تیاری کرو۔

حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ ہر ایک نے ایک نہ ایک دن یہاں پہنچنا ہے، اس لیے زندگی میں ایسے اعمال کرو کہ یہاں پہنچ کر راحت نصیب ہو۔ شیخ سعدیؒ

فرماتے ہیں کہ میرا ایک فرزند تھا۔ یہ لڑکا نہایت خوبصورت تھا اور مجھے اس سے انتہا درجے کی محبت تھی۔ اس کی وفات سے مجھ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا میں جو اس باختہ ہو گیا۔ اسی جو اس باختگی کے عالم میں ایک دن اپنے فرزند کی قبر پر پہنچا اور قبر کا ایک تختہ اکھاڑ کر اسے دیکھنا چاہا لیکن وہاں کا ہولناک منظر دیکھ کر غش کھا کر گرا پڑا۔ بوش میں آیا تو بیٹے کو زبانِ حال سے یہ کہتے سنا۔

گرت وحشت آمدن تاریک جائے  
بہش باش و باروشنائی در آئے  
شب گورِ خواہی منورِ چوں روز  
ازیں جا چراغِ عمل بر فروز

(اگر آپ کو تاریک جگہ سے وحشت ہوتی ہے تو ہوشیار رہیں اور روشنی لے کر آئیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ قبر کی رات دن کی طرح روشن ہو تو اس جگہ عمل کا چراغ روشن کر لیں)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی موت قریب ہوتی ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور (اس کی روح سے مخاطب ہو کر) کہتے ہیں کہ نکل آ، تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی (نکل آ) اللہ کی رحمت کی طرف اور روزی کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو (تجھ سے) غصے نہیں ہے۔ پھر وہ نکلتی ہے جیسے مشک کی عمدہ ترین خوشبو۔ پھر فرشتے اسے ہاتھوں لاکھ لیتے ہیں یہاں تک کہ اسے آسمان کے دروازے تک لے آتے ہیں پھر وہ فرشتے (آسمان والوں سے) کہتے ہیں کہ کتنی عمدہ ہے یہ خوشبو جو زمین کی طرف سے تمہارے پاس آئی ہے پھر وہ فرشتے اس روح کو مومنوں کی روجوں کے

پاس لاتے ہیں تو وہ روحیں اس نئی روح کو مل کر اتنی خوش ہوتی ہیں کہ تم میں سے کوئی اپنے غائب شخص کے آنے پر اتنا خوش نہیں ہوتا پھر وہ اس سے ران لوگوں کا حال پوچھتے ہیں جنہیں وہ دنیا میں چھوڑ آئے تھے اور کہتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے۔ فلاں کا کیا حال ہے پھر (ان میں سے بعض دوسروں سے) کہتے ہیں کہ دھبی آتے ہی اس سے اتنے سوال نہ کرو، اسے ذرا چھوڑ دو۔ یہ دنیا کے غم میں تھا (ذرا دم لے لے تو سوال کرنا) پھر جب وہ آنے والا کہتا ہے کہ جس شخص کا تم پوچھ رہے ہو وہ تو مر چکا ہے تو، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔ تو وہ روحیں کہتی ہیں کہ (نہیں ہمارے پاس تو نہیں آیا۔ اچھا پھر وہ بد اعمال ہو گا لہذا) اسے اس کے ٹکانے جہنم میں لے گئے ہوں گے۔ یہ صورت تو ہو گی مومن کی باقی رہنا کافر تو) جب کافر کی موت قریب ہوتی ہے تو عذاب کے فرشتے ایک کلمہ کا ٹکڑا لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور (اس کی روح سے مخاطب ہو کر) کہتے ہیں کہ نکل آ، تو اللہ سے ناراض اور اللہ تجھ سے ناراض (نکل آ) اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف، پھر وہ نکلتی ہے جیسے سڑے ہوئے مردار کی شدید بدبو، یہاں تک کہ فرشتے اُسے زمین کے دروازے پر لاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ کتنی بُری بدبو ہے۔ پھر اسے کافروں کی روحوں کے پاس لے جاتے ہیں۔

(سنائی)

ذیل کی حدیث حضرت برائین عازب نے بیان کی اور ان سے آگے کئی لوگوں نے اسے روایت کیا۔ سنن ابی داؤد میں یہ حدیث دو واسطوں سے آئی ہے۔ ایک واسطے کے راویوں میں مشہور راوی جریر ہیں اور دوسرے واسطے کے راویوں میں ہناد ہیں۔ حدیث کے بعض حصے کسی ایک واسطے سے دوسرے کی نسبت زیادہ بیان کئے گئے ہیں اور کہیں دونوں متفق ہیں۔ ذیل میں حدیث کو مسلسل بیان کرنے کے دائیں طرف حاشیے میں ساتھ ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ

کہاں دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک نے کوئی بات دوسرے سے زیادہ بیان کی ہے اور کہاں دونوں متفق ہیں وغیرہ۔

حضرت برادر بن عازب بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک انصاری شخص کے جنازے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ جب قبر کے پاس پہنچے تو ردیکھا کہ وہ ابھی کھدی ہوئی نہیں تھی۔ لہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے اور ہم اس طرح خاموش ساکت بیٹھے ہوئے تھے، گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے کہ ذرا بھی ہلے تو وہ اڑ جائیں گے، حضور کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے، پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ قبر کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگو۔ یہ بات آپ نے دو دفعہ یا تین دفعہ فرمائی۔

اور آپ نے فرمایا کہ جب رمیت کو دفن کرنے والے پشت پھیر کر واپس لوٹتے ہیں اور مردہ ان کے جوتوں کی چاپ سن رہا ہوتا ہے کہ فرشتے سوال کرنے کے لیے اس کے پاس آجاتے ہیں، پس اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اے شخص تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے۔

جزیر کی حدیث میں یہاں آنا حضرت زیادہ ہے

حضور نے فرمایا کہ مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے داٹھا کر بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے

اسی بات کو لکھا

پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون ہیں جنہیں تم لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ تجھے یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کو سچ سمجھا۔

لوگوں، بیان کرتے ہیں

پس یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے **يُثَبِّتُ اللَّهُ**  
**السَّادِثِينَ اٰمَنُوْا بِاَقْوَالِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ**  
**الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِيْنَ قَفًا**  
**وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ** ۵

راہ ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(سورۃ ابراہیم: ۲۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر ایک لپکارنے والا آسمان سے لپکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے لیے جنت کا کھپونا بچھاؤ اور اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ پھر اس کی طرف

جبریل کی حدیث میں (اتنا حضرت) زیاد ہے

پھر انہی جہنم میں جبریل اور رضا (دو لوگوں متفق ہیں)

جنت کی ہوا اور جنت کی خوشبو آنے لگتی ہے اور اس کی قبر اس کے لیے (اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ) جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے وہاں تک وہ کھلی ہوتی ہے۔ پھر کافر کی موت کو بیان کیا کہ اس کی روح کو اس کے جسم میں واپس لایا جاتا ہے اور دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے (اٹھا کر) بٹھا دیتے ہیں۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے کہ باہ باہ میں نہیں جانتا۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ باہ باہ میں نہیں جانتا۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص جنہیں تم لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا کون ہیں۔ تو وہ کہتا ہے کہ باہ باہ میں نہیں جانتا۔ پھر ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا۔ پس اس کے لیے دوزخ کا بچھونا بچھا دو اور اسے دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ پھر دوزخ کی گرمی اور ٹو اس کی طرف آنے لگتی ہے اور اس کی قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے اندر اس کی پسلیاں تلے اوپر ہو جاتی ہیں۔

حضور فرماتے ہیں کہ پھر اس پر ایک اندھا، گونگا (فرشتہ) مسلط کر دیا جاتا ہے جس کے پاس ایک لوہے کا گرز ہوتا ہے (جو اتنا بھاری ہوتا ہے) کہ اگر پیار کو مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔ وہ فرشتہ اس گرز کے ساتھ اس کافر

جبرئیل کی حدیث میں (آنا حضرت زیاد ہے)

کو ایک ضرب لگاتا ہے جس کی آواز انسانوں اور حیوانوں کے سوا  
 ہر وہ شے سنتی ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔  
 پس (اس ضرب کے باعث) وہ کافر خاک ہو کر رہ جاتا ہے  
 پھر اس میں دوبارہ روح ڈالی جاتی ہے اور پھر اسے ضرب  
 لگا کر مٹی کر دیا جاتا ہے اور پھر روح ڈالی جاتی ہے۔ قیامت  
 تک اس پر ایسے ہی عذاب ہوتا رہتا ہے۔

ابوداؤد

حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ (ایک روز) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
 اپنے خچر پر سوار ہوئے بخبار کے ایک باغ میں تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک  
 خچر بدگ گئی اور قریب تھا کہ حضور کو گرا دے۔ دیکھا تو وہاں چھ یا پانچ یا چار قبریں  
 تھیں۔ حضور نے فرمایا کہ ان قبروں والوں کو کون جانتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا  
 کہ میں جانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ لوگ کب مرے تھے۔ اس نے جواب دیا کہ  
 یہ شمرک کی حالت میں مرے تھے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ ان لوگوں کو ان کی قبروں  
 میں مبتلائے عذاب کیا جا رہا ہے۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم (ڈر کے مارے)  
 اپنے مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ قبر کا عذاب جو میں  
 سن رہا ہوں خدا وہ تمہیں بھی سنا دے۔ پھر آپ نے اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف  
 کر لیا اور فرمایا کہ دوزخ کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگو۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم دوزخ  
 کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ قبر کے عذاب سے  
 خدا کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا کہ ہم قبر کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر  
 آپ نے فرمایا کہ فتنوں سے خدا کی پناہ مانگو، ظاہری فتنوں سے بھی اور باطنی فتنوں  
 سے بھی۔ صحابہ نے کہا کہ ہم فتنوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، ظاہری فتنوں سے

بھی اور باطنی سے بھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دجال کے فتنے سے خدا کی پناہ مانگو صحابہؓ نے کہا کہ ہم دجال کے فتنے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ (مسلم)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں پھر دو واپس آجاتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے ساتھ (ایک تو) اس کے گھر والے جاتے ہیں اور (دوسرے) اس کا مال اور (تیسرے) اس کا عمل۔ پھر اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل (اس کے ساتھ) رہ جاتا ہے (جو اچھا ہونے کی صورت میں اس کے لیے راحت اور خوشی کا باعث بنتا ہے اور بر ہونے کی صورت میں اس کے لیے ذریعہ عذاب ثابت ہوتا ہے)۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ اے خدا میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور آگ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے۔ (بخاری)

حضرت علیؓ ایک بار قبرستان میں تشریف لے گئے۔ ایک نگاہ قبروں پر ڈالی اور اہل قبور کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے قبروں میں بسنے والو، اے کھنڈروں کے باسیو، اے وحشت

اور تنہائی میں رہنے والو، کہو کیا خیر خبر ہے؟ کہو کیا حال ہے؟

ہمارا تو یہ حال ہے کہ مال تقسیم کر لیے گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں، بیویوں

نے دوسرے شوہر کر لیے یہ تو ہمارا حال ہے۔ اب تم بھی تو اپنی خیر خبر سناؤ۔“



پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ آپ کے ساتھ حضرت گمیل بھی تھے۔  
ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

”گمیل اگر ان قبروں کے باشندوں کو بولنے کی اجازت ہوتی تو یہ  
کہتے کہ بہترین توشہ پرہیزگاری ہے۔“

یہ فرمایا اور رونے لگے۔ دیر تک روتے رہے پھر بولے:

”گمیل، قبر عمل کا صندوق ہے، اور موت کے وقت ہی یہ بات معلوم  
ہو جاتی ہے!“

# قیامت

تمام انبیاء کی امتیں یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ ایک دن الیسا آئے گا جب یہ نظام کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اس دن کو روزِ قیامت کہا گیا ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں میں قیامت کا ذکر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صُور چھوڑا جائے گا جس سے ہولناک آواز پیدا ہوگی اور سب لوگ جو اس وقت زندہ ہوں گے موت کا شکار ہو جائیں گے۔ پھر ایک مدت کے بعد جس کا حال صرف خدا ہی کو معلوم ہے کہ وہ کتنی ہوگی، دوبارہ صُور چھوڑا جائے گا جس سے تمام انسان زندہ ہو جائیں گے اور میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ پھر ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور طے کیا جائے گا کہ کس کس نے دوزخ میں اور کس کس نے جنت میں جانا ہے قیامت کے بعد موت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ کوئی خوشی کی حالت میں ہوگا یا غم اور تکلیف کی، اس کی زندگی دائمی ہوگی۔

## علاماتِ قیامت

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے بعض علامات ظاہر ہوں گی جو اس بات کی دلیل ہوں گی کہ اب قیامت قریب ہے۔ مثلاً

- ۱۔ لوگ خدا کا ذکر کرنا چھوڑ دیں گے۔
  - ۲۔ مال و دولت کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ کوئی کسی کی خیرات قبول نہیں کرے گا۔
  - ۳۔ ذمہ داریاں ناپلوں کے سپرد کر دی جائیں گی۔
  - ۴۔ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت بڑھ جائے گی۔
  - ۵۔ فتنے بہت ظاہر ہوں گے، مصائب بہت آئیں گی، یہاں تک کہ لوگوں کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔
  - ۶۔ لوگوں کے دلوں میں بغلی پیدا ہو جائے گی۔
  - ۷۔ قتل و خون بکثرت ہو گا۔
  - ۸۔ بدکاری بہت بڑھ جائے گی۔
  - ۹۔ شراب کثرت سے پی جائے گی۔
  - ۱۰۔ مرد کم ہو جائیں گی اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی۔
  - ۱۱۔ مسلمانوں میں سے بعض یا بہت سے لوگ مشرکوں سے مل جائیں گے اور بہت بوجھنے لگیں گے۔
  - ۱۲۔ تیس تیس کے قریب کذاب آچکے ہوں گے جن میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا ہو گا کہ میں نبی ہوں۔
  - ۱۳۔ دجال ظاہر ہو گا جو مسلمانوں کو شدید قسم کے مصائب میں مبتلا کر دے گا۔
  - ۱۴۔ حضرت مسیح ایک حاکم عادل کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔
  - ۱۵۔ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ۔
- حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت تب قائم ہوگی جب دنیا میں راتنی خدا فراموشی پھیل چکی ہوگی کہ اللہ اللہ نہیں

کہا جائے گا۔

(مسلم)

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میرے سوا اور کوئی بھی یہ حدیث تم سے بیان نہیں کرے گا۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے (کچھ نشانیاں) یہ ہیں کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہالت کی کثرت ہو جائے گی، بدکاری بہت ہوگی، کثرت سے شراب پی جائے گی، مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی، یہاں تک کہ سچاں عورتوں کی خبر گیری کرنے والا اور ان کے امور کا ذمہ دار ایک مرد ہوگا۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ قریب ہو جائے گا (یعنی وقت تیزی کے ساتھ گزرے گا یا قیامت قریب آگے گی) اور علم اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہو جائیں گے، اور (دلوں میں) بخیلی ڈال دی جائے گی اور ہرج بکثرت ہوگا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ ہرج کیا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ قتل (و خون)

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم میں مال کی کثرت ہو جائے گی (اتنی کہ) وہ بہتا پھرے گا۔ مال والے کو یہ نعم لگا ہوگا کہ کوئی اس کے صدقے کو قبول کرے۔ مگر کوئی اسکے صدقے کو قبول نہ کرے گا) وہ اپنا مال پیش کرے گا مگر جس کے سامنے اسے پیش کرے گا وہ کہے گا کہ مجھے حاجت نہیں۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ رقتہ و فساد اور مصائب کے باعث انسانوں کی زندگی ایسی اجیرن ہو جائے گی کہ (ایک شخص دوسرے شخص کی قبر

کے پاس سے گزرے گا تو (حسرت سے) کہے گا کہ کاش اس کی جگہ میں (اس قبر میں) ہوتا۔

(مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ دنیا فنا نہیں ہوگی جب تک کہ لوگوں پر وہ دن نہ آجائے جس میں قاتل کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اُسے کیوں قتل کیا گیا۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیونکر ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کشت و خون ہوگا (لہذا) قاتل اور مقتول (دونوں) دوزخ میں جائیں گے۔

(مسلم)

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے (بہت سے) قبیلے مشرکوں سے نہ مل جائیں اور بیت نہ پوچھنے لگیں۔ اور میری امت میں تہمتیں کذاب ہوں گے، ان میں ہر ایک یہی گمان کرتا ہوگا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں (آئے گا)۔

(ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک روز) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں (بیٹھے) لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک بدو آگیا اور کہنے لگا کہ قیامت کب ہوگی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کچھ جواب نہ دیا اور اپنی بات کرتے رہے۔ لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ حضورؐ نے اس کی بات سنی تو ہے مگر اس نے جو کچھ کہا ہے اسے پسند نہیں فرمایا۔ ان میں سے کسی (اور) نے کہا کہ نہیں بلکہ آپؐ نے (اس کی بات) سنی ہی نہیں۔ یہاں تک کہ جب آپؐ اپنی بات پوری کر چکے تو فرمایا کہ کہاں ہے۔ (راوی بیان کرتے ہیں کہ) میرا خیال ہے (کہ آپؐ نے یہ بھی کہا کہ) قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا۔ اُس

بتو نے کہا کہ یا رسول اللہ میں یہاں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع  
کی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اس نے پوچھا کہ امانت ضائع کیسے ہوتی ہے  
آپ نے فرمایا کہ جب معاملات نا اہلوں کے سپرد کیے جانے لگیں تو قیامت  
کا انتظار کرنا۔  
(بخاری)

جب کسی کام کو کسی ایسے انسان کے سپرد کر دیا جائے جو اسے کرنے کی  
اہلیت نہ رکھتا ہو تو شدید خرابی پیدا ہوتی ہے۔ حضور نے قیامت کی علامات میں  
سے ایک علامت یہ بھی بتائی کہ ذمہ داریاں نا اہلوں کے سپرد کی جایا کریں گی۔  
حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت  
قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ (حضرت عیسیٰؑ) ابن مریم تم میں ایک عادل حاکم بن کر اتریں  
گے۔ پھر اترنے کے بعد وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور  
جزیرہ موقوف کر دیں گے اور مال اتنا زیادہ ہو جائے گا کہ کوئی اسے لینا قبول نہیں  
کرے گا۔  
(بخاری)

جزیرہ وہ ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا سے لیتی ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک روز) جب سورج  
غروب ہوا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ  
کہاں جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے  
فرمایا کہ یہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر (طلوع ہونے کی)  
اجازت مانگتا ہے۔ پھر اسے اجازت دی جاتی ہے (تو طلوع ہوتا ہے) اور  
عنقریب وہ وقت آئے گا کہ یہ سجدہ کرے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا  
اور (طلوع ہونے کی) اجازت مانگے گا تو اسے اجازت نہیں دی جائے گی  
(بلکہ) اسے کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا لہذا یہ مغرب

سے طلوع ہوگا۔ اور اس کا مغرب سے طلوع ہونا ایک علامت ہوگی قیامت کی (پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ تَهَاطُ ذٰلِكَ قَدِيْمًا لَعَنَ نَزِا لَعَلِيْمٌ ۝ اور سورج، وہ اپنے لگانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے) (یس ۳۸)

(بخاری)

## قیامت کا وقوع

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس انسان کو یہ بات خوش کرے وہ قیامت کے دن کو اس طرح دیکھے گا گویا وہ اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو اسے چاہئے کہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَاءُ اَنْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَاءُ اَنْشَقَّتْ پڑھے۔

(ترمذی)

یہ تینوں سورتیں کلام پاک کے آخری پارے میں ہیں۔ پہلی سورت کا نام ہے سُورَةُ الشُّكُوْمِ رُوسری کا سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ اور تیسری کا سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ۔ ان تینوں سورتوں میں قیامت کے احوال اس عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں کہ انہیں پڑھنے سے قیامت کا منظر گویا آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ذیل میں ان کے مضمون کا تھوڑا تھوڑا حصہ اور اس کا مفہوم پیش کیا جا رہا ہے۔

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور جب تارے بکھر جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی، اور جب جنگل جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دیئے جائیں گے، اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے

اور جب جانیں (حسموں سے) جوڑ دی جائیں گی، اور جب زندہ گاڑی ہوئی نہ  
 لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس تصور میں ماری گئی، اور جب اعمال نامے  
 کھولے جائیں گے، اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، اور  
 جب جہنم دیکھائی جائے گی، اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی  
 اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔“  
 (سورۃ التکویر)

و جب آسمان مچھٹ جائے گا، اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور  
 جب سمندر بھاڑ دیے جائیں گے، اور جب قبریں کھول دی جائیں گی  
 اس وقت ہر شخص کو اس کا اگلا پھلا سبب کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔“  
 آگے پھر انسان کو مخاطب کر کے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:  
 ”اے انسان، تجھے (آخر) کس چیز نے اپنے پروردگار کریم سے  
 متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے۔ (وہ پروردگار) جس نے تجھے پیدا کیا  
 پھر تیرے اعضاء کو درست کیا، پھر تجھے اعتدال پر بنایا (اور) جس  
 صورت میں بھی چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔“

انسان پر اپنے یہ احسان بیان کر کے آگے اس کی سرکشی کی اصل وجہ بیان  
 کی ہے کہ تم اپنے معین خالق سے اس لیے اکڑتے ہو کہ تم درحقیقت قیامت کے  
 دن کی جزا اور سزا کا یقین نہیں رکھتے۔ فرمایا:

دو ہرگز نہیں۔ اصل یہ ہے کہ تم جزا و سزا ہی کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ  
 تمہارے اوپر (بہاری طرف سے) یاد رکھنے والے، معزز لکھنے والے  
 (فرشتے مقرر) ہیں۔ (تاکہ تمہاری ہر نیکی اور برائی لکھتے جائیں) وہ  
 تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔“



آگے نیک لوگوں کا اچھا انجام اور بُرے لوگوں کے بُرے انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وہ نیک لوگ بیشک آسماں میں ہوں گے اور بدکار لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے۔ وہ اس میں داخل ہوں گے جزا کے دن اور پھر اس سے باہر نہ ہوں گے اور آپ کو کیا خبر کہ جزا کا دن کیا ہے پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیا ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ اس دن کسی کا کسی کے لیے کچھ بس نہ چلے گا اور حکومت اس دن تمام تر اللہ ہی کی ہوگی۔“

(سورۃ الانفطار)

آگے سورۃ الانشقاق میں فرمایا ہے:

جب آسمان مچھٹ جائے گا اور اپنے رب کے فرمان کی تعمیل کرے گا اور اس کے لیے حق یہی ہے کہ اپنے رب کا حکم مانے، اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اس کے لیے حق یہی ہے کہ اس کی تعمیل کرے، اسے انسان تو گشتاں گشتاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے پھر جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔ وہ اپنے گھر والوں میں مگن تھا۔ اس نے سمجھا تھا کہ اسے کبھی پلٹنا نہیں ہے۔ پلٹنا کیسے نہ تھا اس کا رب اس

کے کرتوت دیکھ رہا تھا۔

(سورۃ الانفصاق: آیات ۱ تا ۱۵)

ان آیات سے پایا جاتا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا۔ سورج اور ستاروں کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ وہ بندش جس نے ستاروں، سیاروں کو اپنے اپنے مقام اور مدار پر باندھ رکھا ہے کھل جائے گی اور سب ستارے سیارے کائنات میں منتشر ہو جائیں گے، زمین کی وہ کشش بھی ختم ہو جائے گی جس کی بدولت پہاڑ وزنی ہیں اور جمع ہوئے ہیں، لہذا سارے پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور زمین پر اس طرح چلنے لگیں گے جیسے فضا میں بادل چلتے ہیں سمندر بھڑکنے لگیں گے جس طرح دنیا میں کوئی عام مصیبت آنے پر ہر طرح کے جنگلی جانور جاگ کر ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں اسی طرح اس عظیم آزمائش کے وقت سب جنگلی جانور اکٹھے ہو جائیں گے۔ وہ پریشانی کا عالم ہو گا کہ لوگوں کو اپنے قیمتی ترین مال کی بھی پروا نہیں ہوگی۔ آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا اور جو کچھ اب نگاہوں سے اوجھل ہے نظر آنے لگے گا۔ میدان حشر میں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ بھی نظر آرہی ہوگی اور جنت بھی اپنی ساری نعمتوں کے ساتھ سامنے موجود ہوگی تاکہ بد بھی جان لیں کہ وہ کس چیز سے محروم ہو کر کہاں جانے والے ہیں اور نیک بھی جان لیں کہ وہ کس شے سے بچ کر کن نعمتوں سے سرفراز ہونے والے ہیں۔ اس وقت زمین کی اونچ نیچ برابر ہو کر وہ ایک ہموار میدان بن جائے گی اور وہ سب لوگ جو ابتداء سے لے کر انتہا تک مرے تھے زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل آئیں گے اور زمین اندر سے خالی ہو جائے گی۔ پھر لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیے جائیں گے جس سے ہر شخص کو اپنا اگلا پھلا سب کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔ یہ اعمال نامے بعض لوگوں کو داسنے ہاتھ میں دیے جائیں گے اور بعض کو ان کی پشتوں کے پیچھے سے۔ جن لوگوں کے اعمال نامے ان کے داسنے

باتھوں میں دیے جائیں گے ان کا آسان حساب لیا جائے گا اور وہ خوش خوش اپنے گھر والوں کی طرف واپس آئیں گے۔ مگر جن کو ان کے اعمال نامے ان کی لشتوں کے پیچھے سے دیے جائیں گے ان کا وہ حال ہوگا کہ وہ موت کو پکارنے لگیں گے اور دوزخ میں جا داخل ہوں گے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ لوگوں نے دنیا میں جو ایک دوسرے پر ظلم ڈھائے ہوں گے ان کے بارے میں سوال ہوگا اور جو لوگ دنیا ہی میں مگن رہا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ انہیں کبھی اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہی نہیں وہ دیکھ لیں گے کہ جن حقیقتوں کو وہ جھٹلاتے رہے تھے وہ تو اب سامنے ہیں۔

ان تین سورتوں کے علاوہ قرآن پاک کی اور بھی کئی سورتوں میں آخرت کا

حال بیان ہوا ہے۔ سورۃ القارعة میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

”وہ کھڑکھڑانے والی چیز! کسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز! اور آپ کو کیا خبر کہ وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیا ہے (یہ وہ دن ہوگا) جس روز انسان پر نشان پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے پھر جس کسی کا (اعمال کا) پلہ بھاری نکلے گا۔ وہ خاطر خواہ آسائش میں ہوگا۔ اور جس کسی کا (اعمال کا) پلہ ہلکا نکلے گا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ (ہاویہ) کیا چیز ہے۔ وہ دیکتی ہوئی آگ ہے۔“

(القارعة)

سورۃ الزمر آیت ۶۸ میں فرمایا:

”اور صور بھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے اس کے جسے اللہ چاہے“

سورۃ النمل آیت نمبر ۸ میں فرمایا:

”اور جس دن صور بھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو

زمین میں ہیں سب گبھرا جائیں گے سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔“

سورۃ الحاقة آیات ۱۳، ۱۴، ۱۵ میں فرمایا:

”پھر جب صور یک بار کی پھونک دیا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے اور دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ تو اس دن آپڑنے والی آپڑے گی۔“

سورۃ قی آیات ۴۲ میں فرمایا:

”جس دن وہ چنگھاڑ یعنی صور کی ڈراؤنی آواز (جو برحق ہے سنیں گے یہی

قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔“

سورۃ النساء آیت ۱۸ میں فرمایا:

”اور جس دن صور (دوسری بار) پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج چلے آؤ گے۔“

سورۃ لیس آیات نمبر ۵ میں فرمایا:

”اور صور پھونکا جائے گا تو اسی دم وہ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں گے۔“

قیامت کے دن زمین و آسمان اور اجرام فلکی وغیرہ میں جو تغیرات پیدا ہوں گے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی نیز آسمان بھی

اور وہ لوگ پکے زبردست اللہ کے آگے ظاہر ہوں گے۔“

(ابراہیم ۸۷)

”جس دن آسمان گھٹلے ہوئے تانبے کی طرح (سرخ) ہو جائے گا۔“ (المعارج ۸)

”جس دن زمین اور پہاڑ کپکپائیں گے اور پہاڑ بھڑبھڑے ٹیلے ہو جائیں

گے۔“ (الزلزلہ ۱۴)

”اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی“

(الزمر ۶۹)

”جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح طومار خطوں کو لپیٹ لیتا ہے جس طرح ہم نے پہلی بار پیدائش شروع کی تھی اسی طرح ہم اُسے دہرائیں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے۔ بیشک ہم ایسا کرنے والے ہیں“

(الانبیاء ۱۰۴)

قیامت کے دن فرشتوں کے نازل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”جس دن آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے بکثرت (زمین پر) اتارے جائیں گے“

(الفرقان ۲۵)

”جس دن روح یعنی (جبریلؑ) اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے کچھ نہ بولیں گے مگر وہی جس کو رحمن اجازت دے اور جو حق کی بات کہے“

(النبا ۲۸)

”اور تیرا پروردگار اور صفوں کی صفیں فرشتے موجود ہوں گے“

(الفجر ۲۲)

”اور تو فرشتوں کو عرش کے گرد حلقہ باندھے دیکھے گا۔ وہ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ (اس کی) پاکی بیان کر رہے ہوں گے“

(الزمر ۷۵)

قیامت کے اچانک واقع ہوجانے کے متعلق فرمایا:

”بلکہ وہ ان پر اچانک آئے گی، اور انہیں بھونچکا بنا دے گی۔ پھر

نہ وہ اس کو ٹال سکیں گے اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی“ (الانبیاء ۱۰۴)

قیامت کی سختیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، اور ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو نشے کی سی حالت میں دیکھے گا۔ حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ اللہ

کا عذاب ہی سخت ہو گا۔“ (الحج ۲)

”جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے۔ بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں۔“

(الدخان ۱۶)

جیسا کہ بیان ہو چکا۔ پہلا صور پھونکا جائے گا تو سب انسان مر جائیں گے پھر دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو سب اگلے پچھلے انسان زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جمع کئے جائیں گے۔ اسی کو حشر کہتے ہیں۔

سورۃ الکہف آیت ۷۰ میں ارشاد ہوا ہے:

”اور ہم انہیں اکٹھا کریں گے۔ سو ہم ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔“

سورۃ التغابن آیت ۹ میں فرمایا:

”وہ (دن یاد رکھو جب وہ) ہمیں ال جمع کرنے والے دن میں جمع کرے گا۔ یہی دن (ہے نقصان (اور نفع) کے ظاہر ہونے کا دن۔“

قیامت کے دن نفسا نفسی کا وہ عالم ہو گا کہ دنیا میں جو رشتے بڑے

عزیز اور قریبی سمجھے جاتے ہیں ان سے بھی انسان بالکل لاپرواہ ہو گا

اور اپنی جان ہی کے فکر میں مبتلا ہو گا۔ سورۃ عبس آیات ۳۳ تا ۳۷

میں فرمایا ہے۔

”تو جس وقت (قیامت) کا شدید شور برپا ہو جائے گا، اس روز

انسان اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور

اپنے بیٹوں سے بھاگے گا ان میں سے ہر شخص کو اس وقت اپنی ہی پڑی ہوگی جو اُسے (دوسروں سے) بے توجہ کرنے والی ہوگی۔“

سورۃ المعارج آیات از ۱۰ تا ۱۲ میں فرمایا:

”اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو نہ پوچھے گا۔ حالانکہ وہ انہیں دکھا بھی دیئے جائیں گے۔ مجرم (تو اس روز بس) اس کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے بدلے میں اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جس میں وہ بسر کرتا ہے اور تمام اہل زمین کو فدیے میں دے دے (کہ پھر یہ فدیہ) اسے (عذاب سے) بچالے۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ وہ آگ تو ایسی شعلہ زن ہے کہ کھال (تک) اتار دے گی، اور وہ بلاوا دے گی اس شخص کو جس نے پٹھی پھیری ہوگی اور روگردانی کی ہوگی اور (مال) جمع کیا ہوگا، اور اس کو اٹھا اٹھا رکھا ہوگا۔ بیشک انسان بے ہمت پیدا ہوا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع جزع کرنے لگتا ہے۔ اور جب اسے خوش حالی ہوتی ہے تو نخل کرنے لگتا ہے۔“

قیامت اور احوال قیامت کے بارے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کی احادیث سے بھی بہت علم حاصل ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں کہ ایک بدو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ صور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک سینگ ہے جس میں چھونکا جائے گا (تو قیامت برپا ہو جائے گی)۔

(ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں جب صورت یہ ہے کہ صورت (بجانے) والا (فرشتہ) صورت منہ میں لیے ہوئے ہے، اس کی پیشانی جھکی ہوئی ہے اور وہ کان لگائے انتظار کر رہا ہے کہ اسے (صورت) چھونکنے کا حکم دیا جائے تو وہ (صورت) چھونکے اور قیامت برپا ہو جائے حضور کی یہ بات سن کر، مسلمانوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب صورت حالات یہ ہے تو پھر ہمیں بتائیے کہ ہم کیا پڑھا کریں حضور نے فرمایا کہ تم پڑھا کرو حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ تَوَكَّلْنَا عَلَى اللهِ (کافی ہے ہمارے لئے اللہ اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا) (اس حدیث کے ایک راوی) سفیان کھمی کھمی (یا اکثر) تَوَكَّلْنَا عَلَى اللهِ کی جگہ عَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا کہتے تھے۔

(ترمذی)

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج اپنے غروب ہونے کی جگہ سے طلوع کرے گا (یعنی مغرب سے) پھر جب وہ (مغرب سے) طلوع ہوگا اور لوگ اُسے دیکھ لیں گے تو (پھر) سب کے سب ایمان لے آئیں گے لیکن یہ ایسا وقت ہوگا کہ جو شخص اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا اپنے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہ کمائی ہوگی اس کا اس وقت ایمان لانا اُسے فائدہ نہ دے گا (پھر جب قیامت قائم ہوگی تو وہ اس طرح ایک دم آجائے گی کہ) دو آدمیوں نے (خرید و فروخت کے لیے) اپنے درمیان اپنا کپڑا پھیلا رکھا ہوگا مگر ابھی وہ باہم خرید و فروخت کرنے نہیں پائیں گے اور نہ اس کو لپیٹ سکیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ اور کوئی شخص اپنی دودھ والی اونٹنی کا دودھ لے کر چلا ہوگا مگر ابھی اُسے پینے نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے اور کوئی شخص اپنا حوض لپیٹ پرت رہا ہوگا مگر ابھی (اپنے جانوروں کو) اس میں پانی نہیں پلائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی



اور کوئی شخص اپنا لقمہ اٹھا کر اپنے منہ کی طرف لے جا رہا ہوگا مگر ابھی اسے کھانے نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(بخاری)

حضرت مقداد بن اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن سورج لوگوں سے اتنا قریب ہو جائے گا کہ بقدر ایک میل کے رہ جائے گا (اس حدیث کے ایک اور راوی) سلیم بن عامر رہیں جنہوں نے یہ حدیث حضرت مقداد سے سنی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم، میں نہیں جانتا کہ میل سے حضرت مقداد (یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کی مراد کیا تھی۔ آیا زمین کی مسافت (کامیل) یا وہ سلامی جس سے آنکھ میں سرمہ لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں سرمہ لگانے والی سلامی کو بھی میل کہا جاتا ہے۔ غرض کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جب سورج اتنا قریب آجائے گا تو) لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے۔ ان میں کوئی ایسا ہوگا جس کا پسینہ اس کے گھٹنوں تک ہوگا۔ اور ان میں کوئی ایسا ہوگا جس کا پسینہ اس کے گھٹنوں تک ہوگا۔ اور ان میں کوئی ایسا ہوگا جس کا پسینہ اس کی کمر تک ہوگا۔ اور ان میں کوئی ایسا ہوگا جس کے منہ میں پسینے کی لگام ہوگی (یعنی پسینہ اس کے منہ میں جا رہا ہوگا) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

(مسلم)

تیسویں پارے میں سورۃ الزلزال میں قیامت کا ذکر کرتے ہوئے زمین کے متعلق فرمایا گیا ہے **يَوْمَئِذٍ تُخَدِّثُ أَخْبَارَهَا** یعنی اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی **يَوْمَئِذٍ تُخَدِّثُ أَخْبَارَهَا** اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اس کی خبریں کیا ہوں گی صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے

ہیں حضور نے فرمایا کہ اس کی خبریں یہ ہوں گی کہ وہ ہر بندے اور ہر نبی کے بارے میں گواہی دے گی کہ اس نے اس کی پشت پر کیا کیا عمل کیا تھا۔ زمین (ایک ایک شخص کے بارے میں) کہے گی کہ اس نے فلاں اور فلاں اور فلاں دن (یہ عمل کیا تھا۔ پس یہ ہیں اس کی خبریں) جو وہ قیامت کے دن بیان کرے گی،

(ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور فرمائے گا کہ میں ہوں بادشاہ، زمین کے بادشاہ (اس وقت) کہاں ہیں !!!

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام آسمانوں کو لپیٹ لے گا۔ پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا۔ پھر فرمائے گا کہ میں ہوں بادشاہ! کہاں ہیں مغرور و سرکش؟ کہاں ہیں متکبر! پھر تمام زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ پھر فرمائے گا کہ میں ہوں بادشاہ! کہاں ہیں غرور اور سرکشی کرنے والے! کہاں ہیں تکبر کرنے والے !!!

(مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ بندوں کو جمع کرے گا پھر انہیں ایسی آواز میں پکارے گا جسے دُور والے بھی ویسے ہی سنیں گے جیسے قریب والے (فرمائے گا کہ) میں ہوں بادشاہ! میں ہوں اعمال کا بدلہ دینے والا !!!

(بخاری)

سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹ میں اللہ تعالیٰ نے گمراہ لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنَّا وَجُوهِهِمْ عُنِيَآؤُكُمْ وَصَبَّأُ ط (اور ہم قیامت کے روز ان کو اندھے، گونگے، بہرے کر کے منہ کے بل چلائیں گے)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبیؐ کافر کا حشر اس کے منہ کے بل کیسے ہوگا حضور نے فرمایا کہ کیا وہ ذات جس نے اسے دنیا میں پاؤں کے بل چلایا اس بات پر قادر نہیں کہ قیامت کے دن اسے اس کے منہ کے بل چلائے۔ حضرت قتادہ (جنہوں نے یہ حدیث حضرت انس سے سنی۔ اسے سن کر کہہ اٹھے کہ کیوں نہیں، قسم ہے اپنے پروردگار کی عزت کی وہ یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ کافر کو روز قیامت منہ کے بل چلائے)

(بخاری)

حضرت صفوان بن عسال بیان کرتے ہیں کہ ایک بندہ آواز بند و خدمت نبوی میں آیا اور عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص بعض (نیک اعمال کرنے والے) لوگوں سے محبت رکھتا ہے مگر ان جیسے اچھے عمل نہیں کر سکا؛ (تو اس کا کیا انجام ہوگا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی ہوگی

(ترمذی)

دانا انسان دور اندیش ہوتا ہے۔ جس صورت حالات کے متعلق اُسے معلوم ہو کہ ایک نہ ایک دن اس سے ضرور دوچار ہونا ہے وہ چاہے کتنی ہی دور نظر آتی ہو عقل مندا سے قریب ہی سمجھتا ہے اور اس کے لیے تیاری کرتا رہتا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں اسی دور اندیشی اور دانائی

کے طالب تھے۔ موت اور مابعد الموت کے حالات ہر ذی نفس کو ایک دن  
 لازماً پیش آنے ہیں۔ انہیں دور سمجھتے ہوئے ان سے بے پروائی برتنا اسی انسان  
 کا کام ہو سکتا ہے جو غفلت اور نادانی میں مبتلا ہو۔ رسول مقبول صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے اس غفلت اور نادانی کو مسلمانوں کے لیے ہمیشہ سخت مضر اور  
 مہلک سمجھا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخصوص پیارے اور دل نیش انداز  
 میں انہیں موت اور مابعد الموت کی یاد دلاتے رہے۔

# نامہ اعمال اور حساب

قرآن وحدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ انسان نے زندگی میں جتنے بھی عمل کیے ہوں، اچھے یا بُرے، ان سب کا ریکارڈ ساتھ ساتھ تیار ہوتا جاتا ہے اور حشر کے دن وہ انسان کے حوالے کر دیا جائے گا تاکہ وہ خود دیکھ لے کہ وہ دنیا میں کیا کیا کر کے آیا ہے۔ اس ریکارڈ کو نامہ اعمال کہا جاتا ہے اور یہ قیامت کے دن پیش ہوگا۔

نامہ اعمال کا تصور دلانے سے بھی یہی مراد ہے کہ انسان ہر وقت چوکنار ہے اور خرابیاں کرنے سے بچے۔ جس دل میں یہ احساس گہرا ہوگا وہ کوئی غلط قدم اٹھاتے ہوئے ضرور جھکے گا کہ جو خرابی کرنے لگا ہوں وہ ہمیشہ کے لیے لکھ لی جائے گی اور قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گی۔

قرآن واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریکارڈ اتنا مکمل ہوگا کہ ذرہ برابر بات بھی اس سے چھٹی نہیں ہوگی۔ جو نیکیاں اور جو برائیاں کر کے انسان قطعی مجبور چکا ہوگا وہ بھی اس میں موجود ہوں گی اور جن اعمال کو انسان نے بائبل معمولی اور حشر سمجھا ہوگا۔ وہ بھی اس میں درج ہوں گے۔

کلام پاک میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر انسان پر فرشتے متعین ہیں جو اس کے اعمال لکھتے جاتے ہیں۔ ان فرشتوں کو کراما کا تبین کہا گیا ہے جس کا مطلب ہے بزرگ لکھنے والے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن نیکو کاروں کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور وہ اس قدر خوش اور مسرور ہوں گے کہ دوسرے لوگوں سے بھی کہیں گے کہ آؤ ہمارا نامہ اعمال پڑھو اور برے لوگوں کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں اور بدستوں کے پیچھے سے دینے جائیں گے اور وہ شدت غم و الم سے پکاراٹھیں گے کہ کاش ہمارا نامہ اعمال ہمیں دیا ہی نہ جاتا اور ہمیں پتہ ہی نہ چلتا کہ ہمارا حساب کیا ہے۔

یہاں وہی انسانی فطرت بیان ہوئی ہے کہ جب کوئی خوشی کی یا عزت بڑھانے والی بات پیش آتی ہے تو یہی خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کا علم ہو اور جب کسی رسوا کن صورت حالات سے سابقہ پیش آتا ہے تو گویا انسان اسے اپنے آپ سے بھی چھپا جانا چاہتا ہے۔ کلام پاک کی مندرجہ ذیل آیات نامہ اعمال ہی سے بحث کرتی ہیں:

”سو جس کا اعمال نامہ اس کے دانے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (خوش ہو کر) کہے گا کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ میں یقین رکھتا تھا کہ میں اپنے حساب سے ملے وار ہوں۔ سو وہ پسندیدہ عیش میں ہو گا۔ اعلیٰ جنت میں جس کے خوشے جھمے ہوئے ہوں گے (اسے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو۔ خوشگوار سدا ان (اعمال) کا ہے جو تم نے گزشتہ دنوں میں کیے۔ لیکن جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کہ کاش مجھے ہر عمل نامہ نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ پیش ہوتی ہی خاتمہ کر چکی ہوتی۔ میرا مال میرے

کچھ بھی کام نہ آیا۔ میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا ہوا۔“

(الحاقہ از ۱۹ تا ۲۹)

”لیکن جس کا اعمال نامہ اس کی پلٹھ پیٹھ سے دیا جائے گا وہ موت

(الانشقاق ۱۰-۱۱)

ملنے لگے گا۔“

”بے شک ہمارے فرشتے تمہاری سب کارروائیاں لکھتے جاتے ہیں۔“

(رہنوس ۲۱)

”اور کتاب (اعمال لاکر) رکھی جائے گی تو تو گنہگاروں کو دیکھے گا کہ

جو اس میں لکھا ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے

ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ

کسی بڑی کو۔ سب ہی کو گھیر رکھا ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا

اس کو وہ موجود پائیں گے اور (اسے نبی) تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“

(الکہف ۶۹)

”اور بے شک تم پر نگہبان مقرر ہیں (یعنی) بزرگ لکھنے والے وہ

(الانفطار از ۱۰ تا ۱۲)

جانتے ہیں جو تم کرتے ہیں۔“

”اس روز لوگ متفرق پیش ہوں گے، تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے

جائیں سو جس نے ذرہ بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے

ذرہ بھر بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔“

(الزلزال از ۶ تا ۸)

”اس روز ہر شخص جو کچھ بھلائی کر گیا ہے اس کو موجود پائے گا اور جو

کچھ برائی کر گیا ہے اس کو بھی۔ وہ آرزو کرے گا کہ کاش اس میں اور

(آل عمران ۳۰)

اس دن میں زمانہ دراز حاصل ہوتا۔“

کلام پاک سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان نے اپنے مختلف اعضاء سے کام لے کر جو مختلف اقسام کے گناہ کیے ہوں گے تو وہ اعضاء بھی قیامت کے دن اہل کے خلاف گواہی دیں گے کہ اس شخص نے ہم سے فلاں اور فلاں برا کام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو جو عمل وہ کیا کرتے تھے۔“  
(یس ۶۵)

”اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے، پھر ان کی سف بندی کی جائے گی یہاں تک کہ جب وہ اس آگ کے پاس آئیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی جو جو عمل وہ کیا کرتے تھے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گی کہ ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو گویا ہی بخشی ہے اور اسی نے ہمیں پہلی بار پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹاٹے جاؤ گے۔“  
(رحم السجدہ از ۱۹ تا ۲۱)

”بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے پوچھ پچھ سونی ہے۔“  
(بنی اسرائیل ۳۶)

## حساب

سورۃ البقرہ آیت ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:  
”اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں



سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔“  
 اس آیت سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس دنیا میں انسان کی حیثیت خدا کے نائب کی ہے جو خدا کی سلطنت میں خدا کا دین قائم کرنے کا فریضہ ادا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ وہ ایک وفادار نائب بن کر رہے اور جب تک اس دنیا میں موجود ہو اپنے بھیننے والے کی نیابت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ نیابت کی یہ مدت تب ہی تک ہے جب تک جسم اور روح کا رشتہ قائم ہے۔ جس وقت یہ رشتہ ختم ہوا اور انسان اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے بھیننے والے کی طرف واپس چلا گیا یہ مدت نیابت بھی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ انسان سے پوچھ گچھ کی جائے کہ جب تک وہ اس منصب پر قائم رہا اس کا طرز عمل کیسا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی گزارنے اور اس دنیا میں خدا کا دین نافذ کرنے کے لیے بہت سی قوتوں صلاحیتوں اور مادی ساز و سامان کی نعمتیں عطا کی تھیں۔ اب دیکھا جائے گا کہ اس نے ان قوتوں، صلاحیتوں اور مادی ساز و سامان سے کیا کام لیا۔ آیا انہیں ان راسخوں پر صرف کیا جن پر صرف کرنے سے نعمتیں دینے والا منعم حقیقی خوش ہوا یا ان راسخوں پر صرف کر ڈالا جن پر صرف کرنے سے نعمتیں عطا کرنے والا ناراض ہو گیا۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو خدا تعالیٰ نے دولت دی۔ دولت خدا کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر اس شخص نے اس نعمت کو اپنی جائز ضروریات پر خرچ کیا، اس سے محتاجوں کی مدد کی، مظلوموں کی داد رسی کی اور تبلیغی کاموں پر صرف کیا تو منعم حقیقی اس سے خوش ہو گا۔ کیونکہ یہ وہ مصارف ہیں جو اسے پسند ہیں لیکن اگر اسی

دولت کداس نے شراب خوری، جو بازی، رشوت ستانی، سود خوری پر صرف کر ڈالا۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے وہ نعمت بخشے والا سخت ناراض ہو گا کیونکہ یہ وہ مصارف ہیں جو اسے سخت ناپسند ہیں۔

جسے حساب کہا گیا ہے وہ یہی ہے کہ قیامت کے دن ہم سے مواخذہ ہو گا کہ جو جو نعمتیں ہمیں عطا کی گئی تھیں چاہے وہ جسمانی اعضاء اور قوتوں صلاحیتوں کی شکل میں تھیں یا مادی ساز و سامان کی شکل میں، انہیں ہم نے کن راہوں پر صرف کیا۔ آیا ان راہوں پر جو اللہ رب العلیین کو خوش کرنے والی تھیں یا ان پر جو اس کے غضب کو بھڑکانے والی تھیں۔

پھر یہ سبھی یاد رکھنا چاہیے کہ حساب صرف ان نعمتوں کا نہیں لیا جائے گا جو ہمیں عطا کی گئیں بلکہ ان ذمے داریوں کا بھی لیا جائے گا جو ہم پر ڈالی گئیں۔ ایک گھر کا مالک اس بات کا ذمے دار ہے کہ بیوی بچوں کو کما کر کھلائے، ان کی ضروریات پوری کرے، ان کے حقوق پورے کرے، انہیں حفاظت دے اور انہیں راہ راست کی طرف چلانے کی کوشش کرتا رہے۔ ایسے ہی گھر کی مالک اس بات کی ذمے دار ہے کہ اپنے گھر کی حفاظت کرے، خاوند کی اطاعت کرے، اس کے ساتھ تعاون کرے، بچوں کی پرورش کرے اور خاوند کی کمائی کو دیانت داری سے خرچ کرے۔ ایک خادم اس بات کا ذمے دار کہ مالک کے مال میں بددیانتی نہ کرے۔ کام سے جی نہ چرائے اور حرام کی تنخواہ نہ لے۔ اسی طرح مالک بھی ذمے دار ہے کہ خادم کے حقوق پورے کرے اس کی تنخواہ وقت پر دے اور پوری ادا کرے، اس سے اتنا کام نہ لے جتنا وہ نہ کر سکتا ہو اور اس کے دکھ درد میں اس کا ہمدرد ثابت ہو۔ ملک کا حکمران ذمے دار ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کرنے ان کی حفاظت اور خوشحالی

کے لیے کوشاں رہے، صحیح معنوں میں ان کا خادم ثابت ہو اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے دین ایمان اور اخلاق کی بہتری کے لیے بند و لبت کرتا رہے۔ دوسری طرف رعایا ذمہ دار ہے کہ حکمران کے احکام ماننے، اس کے ساتھ تعاون کرے، حکومت کی طرف سے جو ذمے داریاں اس پر عائد ہوں ان سے جان بچانے کی کوشش نہ کرے اور بے وجہ مخالفتوں اور بغاوتوں کی طرف مائل نہ ہو۔

غرضکہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جسے خدا نے نعمتیں عطا نہ کی ہوں اور جس پر ذمے داریاں نہ ڈالی ہوں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حساب لیں گے اس بات کا بھی کہ جو نعمتیں تمہیں دی گئی تھیں انہیں تم نے کن راہوں پر صرف کیا، اور اس کا بھی کہ جو ذمے داریاں تم پر ڈالی گئی تھیں انہیں تم نے کہاں تک پورا کیا۔ قیامت کے حساب کے سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب انسان سے مواخذہ ہوگا تو اس کے اپنے جسمانی اعضاء بھی گواہی دیں گے اور جو خرابیاں وہ ان اعضاء سے کام لے کر چکا ہوگا وہ انہیں بیان کر دیں گے۔ کیونکہ اعضاء اسے اس لیے نہیں دیئے گئے تھے کہ وہ ان سے کام لے کر گناہوں کی راہ پر چلے، بلکہ وہ تو اس لیے دیئے گئے تھے کہ اس کے اللہ کا فرماں بردار بندہ بننے میں آل کی امداد کریں۔ اب ان اعضاء سے غلط کام لے کر اس نے ان اعضاء پر ظلم کیا۔ چنانچہ قیامت کے دن وہ اس ظلم کی فریاد کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آخرت کے اس حساب کے متعلق اپنے پاک کلام میں

فرمایا ہے:

”بس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا، پھر جو اعمال انہوں نے کئے ہوں گے ان سے انہیں خبردار کرے گا۔ اللہ نے انہیں گن

رکھا ہے اور وہ انہیں بھول گئے ہیں اور اللہ ہر شے پر شاہد ہے۔“

(المجادلہ ۶)

”پھر قیامت کے دن وہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔“

بیشک اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔“

(المجادلہ ۷)

”پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

(التکاثر ۸)

”اور جو تم کیا کرتے تھے اس کی بابت تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔“

(النحل ۹۳)

”اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔“

(الانبیاء ۴۷)

احادیث میں بھی قیامت کے مواخذے کا جگہ جگہ ذکر آتا ہے:

حضرت ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ کسی دن یا کسی رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے۔ حضور نے فرمایا کہ اس وقت تمہارے اپنے گھروں سے باہر نکلنے کا سبب کیا ہے۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جس چیز نے تمہیں باہر نکالا ہے اسی نے مجھے بھی نکالا ہے (اچھا تو پھر) اٹھ کھڑے ہو۔ پس وہ دونوں حضور کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور حضور (انہیں لے کر) ایک انصاری شخص کے ہاں تشریف لائے۔ دیکھا تو وہ اپنے گھر میں نہیں تھے۔ ان کی بیوی نے جب حضور کو دیکھا تو کہا کہ خوش آمدید۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ فلان کہاں ہے (یعنی ان انصاری کا پوچھا)۔ ان خاتون نے کہا

کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لانے گئے ہیں۔ اتنے میں وہ انصاری آگئے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھا تو کہا الحمد للہ آج مہمانوں کے لحاظ سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ معزز نہیں۔ پھر وہ گئے اور کھجور کا ایک خوشہ مہمانوں کے پاس لے آئے جس میں گہری کھجوریں بھی تھیں سو کھی بھی اور تازہ بھی اور عرض کیا کہ اس سے کھینے۔ پھر ایک چھین پکڑی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دیکھو دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا پھر ان انصاری نے ان کے لیے (بکری) ذبح کی (اور کھانا تیار کیا گیا) چنانچہ انہوں نے بکری (کا گوشت) اور اس خوشے کی کھجوریں کھائیں اور (پانی) پیا پس جب وہ سب سیر ہو گئے اور سیراب ہو گئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا۔ جھوک نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا تھا۔ پھر تم ابھی واپس نہ لوٹے کہ یہ نعمتیں تمہیں حاصل ہو گئیں۔

(مسلم)

یعنی تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی تین شکلیں بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ دل میں شکر کا احساس ہو اور منہ سے خدا کا شکر ادا کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ان نعمتوں میں اپنے ان بھائیوں کو شریک کیا جائے جنہیں وہ عطا نہیں ہوئے مثلاً دولت کی نعمت حاصل ہو تو غریبوں کی امداد کی جائے۔ صحت کی نعمت حاصل ہو تو بیماروں کی تیمارداری کی جائے، علم کی نعمت حاصل ہو تو جاہلوں کو علم سکھایا جائے اور ان کی رہنمائی کی جائے۔ تیسرے یہ کہ ان نعمتوں کو ایسے کاموں پر صرف نہ کیا جائے جو نعمتیں عطا کرنے والے منعم حقیقی کو ناپسند ہیں مثلاً

دولت کو نما جائز عیش و عشرت پر صرف نہ کیا جائے۔ صحت کو فسق و فجور کی نذر نہ کیا جائے، علم کو فخر و غرور اور غیر شرعی طور پر دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے وغیرہ۔

حضرت ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کے قدم اس وقت تک نہیں ٹہیں گے جب تک اس سے (ذیل کی چار چیزوں کے بارے میں) سوال نہ کر لیا جائے (ایک) اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں ختم کیا (دوسرے) اسکے علم کے بارے میں کہ اس سے کیا عمل کیا (تیسرے) اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے حاصل کیا اور کن مصارف پر صرف کیا، اور (چوتھے) اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کن مصروفیات میں پُرانا کیا۔

(ترمذی)

یہ وہ چار سوال ہیں کہ اگر ہر انسان زندگی گزارتے ہوئے اس وقت کا تصور رکھے جب اس نے ان کا جواب دینا ہوگا تو لوگوں کی آخرت سنورنے کے علاوہ یہ دینا بھی بہشت بن جائے۔ کیونکہ ہمارے ان گنت دکھ اور اذیتیں نتیجہ ہوتی ہیں عمر کو بے کار کاموں اور بد اعمالیوں میں صرف کرنے کا، علم حاصل کر کے بھی عمل سے غفلت برتنے کا، دولت کو حرام ذرائع سے کمانے اور حرام مصارف پر صرف کرنے کا اور جسمانی اعضاء اور قوتوں سے وہ کام لینے کا جنہیں خدا نے گناہ قرار دیا ہے جو شخص اس وقت سے ڈرے گا جب اس نے ان چار سوالوں کا جواب دینا ہوگا وہ کوشش کرے گا کہ اس کی زندگی کے قیمتی اوقات، جنہیں مفید اور نیکی کے کاموں میں صرف کر کے وہ اس نازک وقت میں خدا کے حضور سرخرو ہو سکتا ہے، بے کار اور بڑے کاموں پر ضائع نہ ہونے پائیں، جو علم اسے حاصل ہے اس پر عمل ہوتا رہے تاکہ وہ اس نازک

وقت میں اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہو، وہ مال کو پاک ذرائع سے حاصل کرے اور جائز مصارف پر صرف کرے تاکہ اس کا مال اس نازک وقت میں شرمندگی اور عذاب کا ذریعہ نہ بنے اور وہ اپنے جسم کے اعضاء اور قوتوں سے وہ کام نہ لے جن کے باعث کل اس نازک وقت میں اس کے اپنے اعضاء ہی اس کے خلاف گواہی دینے لگیں۔ جس معاشرے کے افراد میں یہ پرہیزگاری پیدا ہو جانے کے باعث معاشرے میں بد اعمالی، بددیانتی اور بے عملی ختم ہو جائے گی اس کے دکھ اور اذیتیں کیوں نہ کم ہوں گے اور اس کا سکھ اور چین کیوں نہ بڑھے گا۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگاہ رہو کہ تم میں سے ہر ایک راعی (یعنی نگران اور ذمہ دار) ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا (یعنی ان کے بارے میں جن کی نگرانی اور اصلاح کا وہ ذمہ دار ہے)۔ پس جو شخص لوگوں پر امیر مقرر ہے وہ بھی راعی بنے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا اور مرد اپنے اہل خانہ پر راعی ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد پر راعی ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور غلام اپنے مالک کے مال پر راعی ہے اور اس سے اس (مال) کے بارے میں سوال ہوگا۔ آگاہ رہو کہ تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

(مسلم)

اس حدیث میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ ہر مرد اور ہر عورت سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ جو لوگ یا اشیاء ان کے زیر نگرانی تھیں اور جن کی حفاظت اور اصلاح وغیرہ کے وہ ذمہ دار تھے ان کی ذمہ داری انہوں

نے کہاں تک پوری کی۔ کہاں تک ان کی حفاظت کی۔ کہاں تک ان کے حقوق ادا کیے دشیرہ۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دبیٹھے، تھے کہ اتنے میں آپ بنسے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں کس بات پر بنسا ہوں۔ تم نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس گفتگو پر بنسا ہوں جو بندہ اپنے رب کے ساتھ کرے گا۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں نہیں (مزور دی ہے) بندہ کہے گا کہ پھر میں تو اپنے خلاف گواہی کے لیے اپنی ذات کے علاوہ کسی کو مجاز نہیں سمجھتا۔

اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (اچھا) آج کے دن اپنے آپ کے بارے میں گواہی دینے کے لیے تو خود کافی گواہ ہے اور کرانا کا تبیین کافی گواہ ہیں۔ پھر اس کے منہ پر مہر کر دی جائے گی اور اس کے جسم کے اعضا سے کہا جائے گا کہ بولو، چنانچہ وہ بول کر اس کے اعمال بتا دیں گے۔ پھر اس کے منہ پر مہر تیار کی جائے گی تو وہ اپنے اعضا سے کہے گا کہ تم پر بلاست آئے، درد دفع ہو جائے۔ میں تو تمہارے ہی لیے جھگڑا کر رہا تھا، تاکہ تم عذاب کی تکلیف سے بچ جاؤ۔ مگر تم نے خود ہی بتا دیا کہ میں تم سے کیا کیا کام لیتا رہا ہوں،

(مسلم)

اس حدیث میں جو بات واضح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے اعضا سے کام لے کر جو جو اعمال ہم نے اپنے دل کے ہمارے اپنے اعضا سے ہی ان اعمال کی گواہی دے دیں گے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم



نے فرمایا کہ اے بنو عبد مناف تم اپنی جانوں کو اللہ (کے عذاب) سے بچاؤ۔ اس  
بنو عبد المطلب تم اپنی جانوں کو اللہ (کے عذاب) سے بچاؤ، اے زبیر بن  
عوام کی والدہ (اور) اللہ کے رسول کی بھوپھی (صفیہ بنت عبد المطلب) اے محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم، کی بیٹی فاطمہ تم دونوں اپنی جانوں کو اللہ (کے عذاب) سے  
بچاؤ، تم دونوں میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو مگر میں تمہیں اللہ (کے عذاب)  
سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ (بخاری)

عبد المطلب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے اور عبد مناف ہی حضور  
کے آباء و اجداد میں سے تھے۔ آپ نے اپنے اہل خاندان یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی  
سے بھی فرمایا کہ خدا کے عذاب سے بچنے کے لیے اعمال نیک اختیار کرو۔ صرف  
میرے رشتے دار ہونے کے باعث تم بچتے نہیں جاؤ گے۔

خدا ترس لوگ قیامت کے اس حساب سے ہمیشہ خائف رہا کرتے تھے۔

مواخذے کے بارے میں ان کا خوف اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ بسا اوقات انہوں  
نے عہدے قبول کرنے سے صرف اس بنا پر انکار کر دیا کہ عہدے ان کے  
اختیارات اور ذمے داریوں کو بڑھا دیں گے اور پھر اگر وہ ان ذمے داریوں  
کو پورا نہ کر سکے تو قیامت کے دن کیا جواب دیں گے۔

بنو امیہ کے ناظم اور دیندار خلیفہ عمر بن العزیز کے متعلق بیان ہوا ہے کہ جب  
وہ خلیفہ بنائے گئے تو احساس ذمہ داری کے باعث اتنے پریشان ہوئے  
کہ ان کی ایک کینز نے دیکھ کر کہا: "آپ شاید منرد ہیں۔"

آپ نے جواب دیا: "یہ تشویش ناک بات ہی ہے مشرق و مغرب میں  
امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کا مجھ بزدل نہ ہو اور اس حق کا ادا کرنا بغیر  
اطلاہ اور مطالبے کے مجھ پر فرس نہ ہو۔"

اس کے بعد آپ مسجد میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا:  
 ”لوگو! مجھ پر خلافت کا بار ڈال دیا گیا ہے، بغیر اس کے کہ مجھ  
 سے رائے لی جاتی یا میں اس کا خواستگار ہوتا یا عام مسلمانوں سے  
 مشورہ لیا جاتا۔ میری بیعت کا جو قلاوہ تمہاری گردنوں میں ہے  
 میں اُسے خود نکال دیتا ہوں۔ اب تم جس کو چاہو اپنا خلیفہ مقرر  
 کر لو“

اس پر لوگوں نے باوا زبند کہا: ”ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اور ہم  
 آپ کی خلافت پر راضی ہوئے۔“

اس کے بعد جو چند سال آپ نے زندگی پائی، احساس ذمہ داری اور عاقبت  
 کی جوابدہی سے لرزاں و ترساں رہے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے ایک فوجی  
 افسر کو لکھا:

”..... خشیت کا سب سے زیادہ مستحق بندہ وہ ہے جو اس  
 مصیبت میں مبتلا ہو جس میں کہ میں ہوں۔ خدا کے نزدیک مجھ سے  
 زیادہ سخت حساب دینے والا اور مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں  
 ہے۔ میں اس حالت میں سخت دل گرفتہ ہوں اور مجھے خوف ہے کہ  
 یہ میری ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔“

یہ الفاظ لکھنے سے آپ کی مراد یہی تھی کہ میرے کندھوں پر ذمے داریوں  
 کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ میں اس عظیم الشان سلطنت کا جو تین  
 براعظموں میں بھیلے ہوئی ہے سربراہ ہوں اور سب رعایا کے حقوق ادا کرنے  
 مجھ پر واجب ہیں۔ پتہ نہیں میں ان سب ذمہ داریوں کو ادا کر سکوں یا  
 نہ کر سکوں۔

اسی خط میں آپ آگے چل کر فرماتے ہیں:

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد کے نئے روانہ ہونا چاہتے ہو تو اسے برادر بن میری خواہش یہ ہے کہ جب تم جنگ کی صف میں کھڑے ہو تو خدا سے دعا کرنا کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے کیونکہ میری حالت نہایت سخت اور میرا خطرہ نہایت عظیم ہے“

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عام معمول یہ تھا کہ عشاء کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھ کر دعائیں کرتے اور روتے جاتے۔ ایک دن آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبد الملک نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:

”میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید کی قسمت کا مالک ہوں۔ پھر میں نے بکس ہزیرہ محتاج، فقیر، گم شدہ، قیدی اور انہی کی طرح کے اور لوگوں کو یاد کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق مجھ پر دعویٰ کریں گے۔ اس لیے اس تصور سے مجھے جان کا خوف پیدا ہو گیا۔ میری آنسو جاری ہو گئے اور میرا دل خوف زدہ ہو گیا اور میں جس قدر اس کو یاد کرتا ہوں میرا خوف بڑھتا جاتا ہے“

ان کی بیوی فاطمہ بنت عبد الملک کا بیان ہے کہ وہ اور لوگوں سے زیادہ نمازیں نہیں پڑھتے تھے نہ اور لوگوں سے زیادہ روزے رکھتے تھے۔ البتہ ان سے زیادہ کوئی خدا سے نہیں ڈرتا تھا۔“

ایک بار آپ سفر میں تھے۔ اسباب پیچھے رہ گیا تھا، اور آپ اور

آپ کے ساتھی آگے نکل چکے تھے۔ ایک جگہ ٹھہر گئے اور آپ نے دیکھا کہ سفر کرنے والوں میں سے جو شخص اپنا سامان پہلے روانہ کر چکا تھا، ان کے پاس اب ان کا سامان پہنچ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ رو پڑے۔ آپ کے ایک چچا زاد بھائی نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

”اسی طرح قیامت کے دن جو شخص زادراہ پہلے بھیج چکا ہوگا وہ اس کو مل جائے گا اور جس نے نہ بھیجا ہوگا اس کو کچھ نہیں ملے گا۔“

# میزان، صراط، شفاعت، کوثر

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر نیکی اور برائی دونوں کی صلاحیتیں رکھی ہیں اور انبیاء کے سوا اور کوئی ایسا انسان نہیں ہوتا جو پورے طور پر گناہوں سے پاک ہو۔ نیک سے نیک انسان بھی زندگی میں کوئی نہ کوئی خطا ضرور ہی کر لیتا ہے۔ ایسے ہی بُرے سے بُرا شخص بھی ایسا نہیں جس نے زندگی میں کوئی نہ کوئی نیکی نہ کی ہو۔ چنانچہ کسی شخص کا نیک ہونا یہ لازم نہیں کرتا کہ اس نے زندگی میں کوئی گناہ کیا ہی نہیں اور ایسے ہی کسی کے بدیہونے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس سے کوئی کارِ ثواب ہوا ہی نہ ہو بلکہ فیصلہ تو اس بات پر ہوتا ہے کہ کسی شخص نے کون سے کام زیادہ کیے ہیں۔

اگر کسی انسان کا غالب میلان نیکی کی طرف ہے اور زندگی میں اس کا عام رویہ خداترسی، پرہیزگاری اور دیانت داری پر مبنی ہے اور اس کی زندگی کی اچھائیوں کی تعداد براہیوں سے زیادہ ہے تو اسے نیکو کار کہا جائے گا اگرچہ اس نے چھوٹے موٹے گناہ بھی کیے ہوں گے۔

ابت ہی اگر کسی کا عام میلان گناہ اور خدا کی نافرمانی کی طرف ہو، بُرے کاموں میں اسے راحت ملتی ہو اور اس کے گناہوں کی تعداد اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوتی ہے تو اسے برا کہا جائے گا اگرچہ اس نے زندگی میں کچھ نیکیاں بھی

ضرور کی ہوں گی۔

قرآن و حدیث میں ہمیں قیامت کے جو حالات و واقعات ملتے ہیں ان میں میزان کا ذکر بھی ہے۔ یعنی ترازو کا۔ ہم جانتے ہیں کہ ترازو چیزوں کو تولنے کے کام آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ ترازو انسانوں کے اعمال کو تولے گی تاکہ پتہ چلے کہ ہر فرد دنیا میں کس قسم کے اعمال زیادہ کر کے آیا ہے۔ آیا نیکیاں زیادہ کر کے آیا ہے یا برائیاں۔ میزان کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس میں پورے انصاف سے اعمال تولے جائیں گے، اور کسی انسان سے ذرہ برابر بھی بے انصافی نہیں ہوگی۔ زندگی میں اگر کسی نے رائی کے دانے کے برابر بھی عمل کیا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ وہ بھی لا حاشہ کریں گے۔ اس میزان میں جس کا نیکیوں کا پلٹا بھاری ربے گا وہ خدا کی رضا سے سرفراز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے موٹے گناہ معاف فرمادے گا، اور اسے نجات دے کر ابدی بہشت میں داخل کر دے گا، لیکن جس کا نیکیوں کا پلٹا ابد کا ربے گا وہ خدا کے غضب کا شکار ہوگا اور دوزخ کا مستحق ٹھہرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کرنے کے علاوہ کوئی نیکی کرنے کی کوشش بھی کریں کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ كِذٰبِ السَّيِّئَاتِ (مہور ۱۱۴)

”بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت ۷۷ میں فرمایا ہے:

”اور قیامت کے دن ہم انصاف کے ترازو رکھیں گے۔ سو کسی شخص پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے لا متورد کریں گے اور ہم حساب لینے کے لیے

کافی ہیں۔“

پھر سورہ المؤمنون آیات ۱۰۲-۱۰۳ میں ارشاد ہوا ہے :  
 ”تو جس کی (نیکیوں کی) تول بھاری ہوگی وہی فلاح پانے والے ہیں اور  
 جس کی تول ہلکی ہوگی وہ وہ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاسٹے میں  
 رکھا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔“

سورہ آل عمران آیت ۱۸۵ میں بیان کیا گیا ہے :

”اور قیامت کے دن تمہیں تمہارے پورے پورے اجر دیئے  
 جائیں گے۔“

سورہ القارعہ آیات ۶ تا ۱۱ میں ارشاد فرمایا ہے :

”پھر جس کی تول بھاری ہوگی وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا، اور جس کی  
 تول ہلکی ہوگی اس کا ٹھکانہ بلویہ (جہنم) ہوگا۔ اور تم کیا جانو، وہ کیا ہے  
 (وہ) بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔“

میزان کی طرح صراط یا اُپل صراط کے متعلق بھی بتایا گیا ہے۔ جیسے کہ پہلے  
 بیان کیا جا چکا ہے، صراط ایک راستہ ہوگا جو جہنم کے اُپر سے ہو کر گزرے  
 گا، اور ہر انسان کو لازماً اس کے اُپر سے ہو کر گزrina ہوگا چاہے وہ نیک ہو  
 یا بد۔ جیسے کہ قبر کے حالات میں گزر چکا ہے کہ قبر کی زندگی کا آرام وہ ہونا  
 یا تکلیف وہ ہونا، دنیوی زندگی کے اعمال پر منحصر ہے۔ یہی حال صراط کا بتایا  
 جاتا ہے، اس پر سے گزرنے والے کے ایمان اور اعمال کی حالت جیسی رہی  
 ہوگی ویسی ہی اسے صراط محسوس ہوگی۔ نیکو کاروں کے لیے وہ ایک وسیع راستہ  
 ہوگا جس پر سے وہ آرام سے گزر جائیں گے اور بد عملوں کے لیے وہ تنگ راستہ  
 ہوگا، وہ اس سے نہیں گزر سکیں گے بلکہ گر جائیں گے اور نیچے جہنم میں جا پڑیں

گے۔ احادیث میں بھی صراط کا ذکر آیا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہیں دوزخ یاد آیا تو وہ رونے لگیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کس بات پر رونا آیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ مجھے دوزخ یاد آ گیا تو میں رونے لگی۔ تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مقامات ایسے ہیں جہاں کوئی بھی کسی کو یاد نہیں رکھے گا (ایک) میزان کے پاس (کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا) یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ آیا اس کی میزان ہلکی رہی یا بھاری (دوسرے) اعمال نامے دیے جانے کے وقت جب کہا جائے گا کہ لو دیکھو پڑھو میرا اعمال نامہ، یہاں تک کہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کا اعمال نامہ کہاں رکھا گیا ہے، آیا اس کے دائرے ہاتھ میں یا اس کے بائیں ہاتھ میں یا اُسے اس کی پشت کے پیچھے سے دیا گیا ہے۔ اور (تیسرے) صراط کے پاس جب اُسے دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا اور سب لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ اس کے اوپر سے گزریں،

(ابوداؤد)

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے انسان کے اچھے اور بُرے دونوں طرح کے اعمال تو لے جائیں گے جس کے اچھے اعمال کا پلڑا بھاری ہوا اُسے انعام کا مستحق سمجھا جائے گا اور جس کے اچھے اعمال کا پلڑا بھاری اور بُرے اعمال کا بھاری ہوا وہ سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا اور انسان کا یہ حال ہو گا کہ جب تک اُسے معلوم نہ ہو جائے گا کہ اس کے نیک اعمال کا پلڑا بھکا ہے یا بھاری اُسے مارنے فکر کے کوئی بھی یاد نہ ہو گا۔ ایسے ہی یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ہمارا برا چھاپڑا عمل لکھا جا رہا ہے۔ اور ہر انسان کی ایک کتاب تیار ہو رہی ہے جسے اعمال نامہ کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ہر انسان کو



اس کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا۔ نیکوں کو ان کے دائیں ہاتھ میں اور بُروں کو ان کے بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے۔ اس وقت بھی لوگوں کی فکر مندی اتنی شدید ہوگی کہ انہیں کوئی بھی یاد نہ ہوگا جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے گا کہ اعمال نامہ کیسے دیا گیا ہے۔ دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے ایسے ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دوزخ کے اوپر ایک راستہ ہوگا جس پر سے ہر انسان کو گزرنا ہوگا۔ نیک لوگ اس پر سے آرام سے گزر جائیں گے اور بُد اس پر سے گر کر نیچے دوزخ میں جا پڑیں گے لہذا اس صراط کے پاس بھی جسے عام زبان میں پُل صراط کہا جاتا ہے لوگ اتنے پریشان ہوں گے کہ کسی کو کسی کی سبوش نہ ہوگی۔ اعمال ناموں کے سلسلے میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "جب کہا جائے گا کہ لو دیکھو پڑھو میرا اعمال نامہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک لوگ اپنے اعمال نامے کو دائیں ہاتھ میں پا کر اس قدر خوش ہوں گے کہ لوگوں کو دکھاتے پھریں گے کہ لو پڑھو میرا اعمال نامہ۔

سورۃ ابراہیم آیت ۲۸ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يَوْمَ تَبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِحَدِّهِ

الْأَوَّاحِدِ الْقَهَّارِ ۝

"جس دن زمین اور آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دیئے جائیں گے اور سب

کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہوں گے۔"

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ

کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا یَوْمَ تَبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ

(اور پوچھا کہ) پھر لوگ اس دن کہاں ہوں گے تو حضور نے فرمایا کہ (۵)

(ابن ماجہ)

پُل صراط پر ہوں گے۔

## شفاعت

شفاعت کا مطلب ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو بچھڑانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی سفارش کرنا۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار میں حضرت جابرؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ (بعض لوگ) شفاعت کے ذریعے دوزخ سے نکل آئیں گے۔ یہی مضمون اور احادیث میں بھی آیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ فیض یاب کون ہوگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے کوئی شخص یہ بات مجھ سے نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں حدیث سننے کی کتنی حرص ہے (اچھا تو پھر سنو) قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ فیض یاب وہ شخص ہوگا جس نے اپنے دل کے خلوص سے یا (حضور نے یہ فرمایا کہ) جی کے خلوص سے لا اِلهَ اِلَّا اللهُ کہا۔

(بخاری)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اذان (کی آواز) سن کر یہ دعا کی۔

اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ  
الْمَكْتُمَةِ احْتِمْهُمُ حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْ  
وَابْعَثْهُم مِّمَّا كَانُوا فِيهَا وَعَدَّتْهُ

”اے اللہ اس مکمل پکار کے رب اور سدا رہنے والی نماز کے رب

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا کر اور فضیلت عطا کر اور آپ کو مقام محمود پر پہنچا جس کا ثبوت آپ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔

رہا جس نے اذان سن کر یہ دُعا کی (اس کے لیے قیامت کے دن (میری) شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (ابوداؤد)

اذان کے کوئی مکمل پکار کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اذان کامل اور بہت فضیلت والی شے ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف بلایا جاتا ہے۔ نماز کو ”سدا رہنے والی“ اس لیے کہا گیا ہے کہ نماز کا یہ نظام قیامت تک قائم رہے گا۔ ”وسیلۃ“ بہشت میں ایک خاص مقام ہے جو حضور کے لیے مخصوص ہے۔ ”مقام محمود“ کا مطلب ہے وہ جگہ جہاں کھڑے ہونے والے کی سب تعریف کریں گے یعنی شفاعت کا مقام۔ حضور لوگوں کی شفاعت کر کے ان کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنیں گے، لہذا سب آپ کی تعریف و توصیف کریں گے۔ صحیح مسلم میں شفاعت کے بارے میں ایک لمبی سی حدیث آئی ہے جو انتہائی دلچسپ پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔

معبد بن ہلال عنہ زنی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک کے پاس گئے اور ان سے ملاقات کے لیے (ثابت کی سفارش چاہی۔ آخر ہم ان تک پہنچے اور وہ (اس وقت) چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ثابت نے ہمارے لیے اجازت مانگی اور اجازت ملنے پر ہم اندران کے پاس گئے۔ انہوں نے ثابت کو اپنے ساتھ اپنے پلنگ پر بٹھایا۔ ثابت نے ان سے کہا: اے ابو حمزہ! آپ کے (یہ) بھائی جو اہل بصرہ میں سے ہیں آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ انہیں شفاعت والی حدیث سنائیں۔ حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کیا کہ جب قیامت کا دن ہو گا

تو رات سخت اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے سے گڑبڑ ہو جائیں گے  
 پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں گے اور ان سے درخواست  
 کریں گے کہ اپنی اولاد کے لیے شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل  
 نہیں ہوں، تمہیں چاہیئے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کے خلیل  
 (یعنی دلی دوست) ہیں۔ پھر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو  
 وہ (بھی یہی) کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ تمہیں چاہیئے کہ موسیٰ (علیہ السلام)  
 کے پاس جاؤ کیونکہ وہ کلیم اللہ ہیں (جن سے اللہ نے کلام فرمایا تھا) پھر حضرت موسیٰ  
 علیہ السلام کے پاس آیا جائے گا تو وہ (بھی) کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں  
 ہوں، تمہیں چاہیئے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کہ وہ روح اللہ اور اللہ کا  
 کلمہ ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا جائے گا تو وہ (بھی) کہیں گے کہ میں  
 اس کا اہل نہیں ہوں، تمہیں چاہیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ۔ پھر  
 میرے پاس آیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ میں اس کا اہل ہوں پھر میں چل پڑوں  
 گا اور اپنے رب سے پاس آنے کی اجازت طلب کروں گا پس مجھے اجازت  
 دے دی جائے گی۔ پھر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور ایسے  
 قابل تعریف الفاظ میں اس کی حمد کروں گا جن پر میں اس وقت قادر نہیں ہوں  
 اللہ تعالیٰ (اس وقت) وہ الفاظ مجھے ابھام کرے گا۔ پھر میں اس کے آگے  
 سجدے میں گر جاؤں گا۔ پس مجھے کہا جائے گا کہ اے محمدؐ، اپنا سراٹھائیے اور  
 بات کیجئے، آپ کی بات سنی جائے گی اور مانگیے آپ کو وہ عطا کیا جائے گا  
 اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا کہ  
 اے میرے رب، میری امت، میری امت، پس فرمایا جائے گا کہ چاہئے  
 اور جس کے دل میں گیہوں یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اسے دوزخ

سے نکال لیجئے پس میں جاؤں گا اور (ایسے ہی) کروں گا (یعنی ان سب کو دوزخ سے نکال لاؤں گا جن کے دلوں میں گیموں یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا) پھر میں اپنے رب کی طرف لوٹ آؤں گا۔ اور انہیں قابل تعریف الفاظ میں اس کی حمد کروں گا پھر اس کے آگے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پس مجھے فرمایا جائے گا کہ اے محمد اپنا سر اٹھائیے اور کہیئے آپ کی بات سنی جائے گی، اور مانگیئے آپ کو وہ عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں پھر عرض کروں گا کہ میری امت، میری امت۔ پس مجھے فرمایا جائے گا کہ جائیئے اور جس کے دل میں رانی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لیجئے۔ پس میں جاؤں گا اور (ایسے ہی) کروں گا کہ ان سب کو بھی دوزخ سے نکال لاؤں گا جن کے دلوں میں رانی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا) پھر میں اپنے رب کی طرف لوٹ آؤں گا اور انہیں قابل تعریف الفاظ میں اس کی حمد کروں گا پھر اس کے آگے سجدے میں گر پڑوں گا، پس مجھے فرمایا جائے گا کہ اے محمد اپنا سر اٹھائیئے اور بات کیجئے، آپ کی بات سنی جائے گی اور مانگیئے آپ کو وہ عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پس میں عرض کروں گا کہ اے میرے رب میری امت، میری امت! پس مجھے کہا جائیگا کہ جائیئے اور جس کے دل میں رانی کے دانے سے بھی کم اس سے بھی کم، اس سے بھی کم ایمان ہو اس کو آگ سے نکال لیجئے، پس میں جاؤں گا اور (ایسے ہی) کروں گا کہ ان کو بھی دوزخ سے نکال لاؤں گا جن کے دلوں میں رانی کے دانے سے بھی کم ایمان ہوگا) (حدیث کے راوی معبد بن ہلال عن نبی بیان کرتے ہیں کہ یہ حضرت انسؓ کی حدیث ہے جو انہوں نے ہمیں بتائی۔ پھر ان سے گفتگو کرنے کے بعد) ہم ان سے رخصت ہو کر چلے۔ پھر جب ہم جتان کے قریب تھے کی میندی پر پہنچے تو ہم نے کہا، کاش کہ ہم حضرت حسن (البصری) سے بھی مل لیتے اور

انہیں سلام کر لیتے۔ وہ (ان دنوں) ابو خلیفہ کے گھر میں چھپے ہوئے تھے کیونکہ  
 عراق کا ظالم گورنر حجاج بن یوسف ان کے پیچھے پڑا ہوا تھا) غرض کہ ہم ان کی  
 خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سلام کیا اور عرض کیا کہ اے ابوسعید، ہم آپ  
 کے بھائی ابو حمزہ (یعنی حضرت انس بن مالک) کے ہاں سے آئے ہیں۔ انہوں  
 نے ہمیں شفاعت کے بارے میں ایک ایسی حدیث سنائی ہے کہ اس جیسی حدیث ہم  
 نے کبھی نہیں سنی تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ حدیث بیان کرو۔ ہم نے انہیں وہ حدیث  
 سنا دی تو وہ فرمانے لگے کہ آگے بتاؤ۔ ہم نے کہا کہ انہوں نے تو ہمیں اس سے  
 زیادہ نہیں بتایا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ حدیث تو حضرت انس نے بس برس پہلے  
 ہمیں سنائی تھی ان دنوں وہ طاقت ور تھے اور ان کا حافظہ بھی قوی تھا۔ (اب  
 تمہیں سناتے ہوئے) انہوں نے حدیث کا کچھ حصہ چھوڑ دیا ہے اب مجھے معلوم نہیں  
 کہ آیا شیخ (یعنی حضرت انس) مہجول گئے ہیں یا انہوں نے اس بات کو پسند نہیں کیا  
 کہ (وہ حصہ) تمہیں سنائیں، اس خوف کے باعث کہ کہیں تم اسی پر بھروسہ نہ  
 کرو (اور عمل کرنے سے لاپرواہ ہو جاؤ) ہم نے کہا کہ (پھر) آپ ہمیں (وہ حصہ)  
 سنادیں۔ وہ سنیں پڑے اور کہا کہ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (یعنی انسان  
 جلد باز مخلوق ہے۔ پھر فرمایا) میں نے یہ بات تمہیں صرف اسی لیے بتائی ہے کہ  
 میں چاہتا ہوں کہ (حدیث کا) وہ حصہ تمہیں سنادوں (جو حضرت انس نے کسی  
 وجہ سے نہیں سنایا۔ اچھا سنو حضور فرماتے ہیں کہ) پھر میں چوتھی مرتبہ اپنے رب  
 کی طرف لوٹ کر آؤں گا اور انہیں قابلِ تعریف الفاظ کے ساتھ اس کی حمد  
 کروں گا پھر اس کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا۔ پس مجھے کہا جائے گا کہ  
 اے محمد اپنا سر اٹھائیے اور بات کیجئے آپ کی بات سنی جائے گی، اور  
 مانگیے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول  
 کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا کہ اے میرے رب مجھے ان لوگوں کے بارے

میں بھی اجازت مرحمت فرمائیے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا سو رکہ میں انہیں بھی دوزخ سے نکال لاؤں اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ آپ کا کام نہیں ہے بلکہ یہ کام میں بطور خود بغیر کسی کی شفاعت کے کروں گا، مجھے قسم ہے اپنی عزت کی اور اپنی کبریائی کی اور اپنی عظمت کی اور اپنی سلطانی اور علیہ کی کہ میں ضرور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔ (اس کے حدیث کے راوی معبد بن ہلال غنیزی) کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں (اس بات کی) کہ یہ حدیث ہمیں حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے سنائی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالک سے سنا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ انہوں نے (یہ بھی) فرمایا کہ حضرت انس نے انہیں یہ حدیث سنائی تھی) بسن برس پہلے اس زمانے میں جب حضرت انس طاقت ور تھے اور ان کا حافظہ بھی قوی تھا۔

(مسلم)

## حوض کوثر

قیامت کے سلسلے میں حضور نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اس میں حوض کوثر کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ پانی کا ایک حوض ہوگا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جائے گا۔ ایمان والوں کو اس سے پانی پلایا جائے گا جسے پینے کے بعد پھر وہ کبھی پیاس کا شکار نہیں ہوں گے۔ حوض کوثر کے بارے میں مزید معلومات ذیل کی احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ یعنی جنت میں۔ وہ دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کا پانی، شہد سے زیادہ میٹھا ہے اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں

اونٹوں کی گردنوں کی طرح (لمبی) ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ (پرنڈے) تو خوب عیش میں ہوں گے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو کھانے والے (یعنی اہل جنت) ان سے زیادہ عیش میں ہوں گے۔

(ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے، اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور وہ موتی اور یاقوت پر بہتی ہے، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور بروت سے زیادہ سفید ہے۔

(ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (معراج کے موقع پر) میں جنت میں چل رہا تھا کہ میرے سامنے ایک نہر آگئی جس کے دونوں کناروں پر موتی کے گنبد تھے۔ میں نے فرشتے سے کہا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا کہ یہ نہر، کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔ پھر اس نے اس کی گیلی مٹی میں ہاتھ مارا اور اس میں سے، مشک نکالا۔ پھر میرے لئے سدرة المنتہی کو بلند کیا گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک بہت بڑا نور تھا

(ترمذی)

سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک بیری ہے جو

عرش الہی کی دائیں جانب ہے۔ یہ فرشتوں کی گزرگاہ کی آخری حد ہے۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

سنا کہ میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا صنعا اور مدینہ منورہ کے درمیان کا فاصلہ

ہے۔ اس کے ایک اور راوی، مستورد نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا

تو نے حنظل کو حوض کوثر کے پتوں کا ذکر کرتے نہیں سنا۔ حضرت حارثہ



نے جواب دیا کہ نہیں۔ مُسْتَوْرِد نے کہا کہ اس پر (یعنی حوض کوثر پر) ستاروں کی طرح برتن دکھائی دینگے۔  
(مسلم)

شفا عرب کے جنوبی علاقے یمن کا ایک مشہور شہر ہے مدینہ منورہ سے منعا  
بڑی قور کی مسافت پر واقع ہے۔  
حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے کوثر کے  
(مفہوم کے) بارے میں فرمایا کہ کوثر وہ خیر (و برکت) ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے (حضرت سعید بن جبیر نے یہ حدیث ایک اور  
راوی ابولبشر سے بیان کی) ابولبشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا  
کہ لوگوں کا خیال تو یہ ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔ اس پر حضرت سعید  
بن جبیر نے فرمایا کہ (وہ بھی درست کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ کوثر نام کی)  
جو نہر جنت میں ہے وہ بھی اس خیر (و برکت) کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے  
حضور کو عطا کی ہے۔  
(بخاری)

کوثر کا مفہوم ”بہت خیر و برکت“ بھی ہے اور کوثر جنت کی اس نہر کا نام بھی  
ہے جو حضور کو عطا فرمائی گئی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ  
نے حضور کو ہر طرح کی خیر و برکت عطا فرمائی ہے اور اسی خیر و برکت کی ایک شکل  
نہر کوثر بھی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ میں اپنے حوض کوثر پر انتظار کروں گا ان لوگوں کا جو پانی پینے کے لیے  
میرے پاس آئیں گے پھر بعض لوگوں کو میرے سامنے سے پکڑ لیا جائے گا۔ اس  
پر میں کہوں گا کہ (انہیں کیوں پکڑا گیا ہے) یہ تو میری امت ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ  
فرمائے گا کہ تم نہیں جانتے کہ (تمہارے بعد) یہ اٹھ پانچ دن واپس پلے سے آئے  
رہتے رہتے رہیں گے۔ اب ابی بکر نے یہی کہا تو ابی بکر نے دعا کرنے لگے

کہ خدایا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہم اٹے پاؤں پھر جائیں یا  
فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔  
(بخاری)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ میں حوض کوثر پر تمہارا پیش خمیہ ہوں گا تم میں سے بعض لوگ میرے  
پاس لائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب میں جھکوں گا کہ انہیں پانی دوں تو  
انہیں میرے سامنے سے کھینچ لیا جائے گا۔ اس پر میں کہوں گا کہ اے میرے  
رب، یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نہیں جانتے کہ انہوں  
نے تمہارے بعد کیا کیا بدعتیں کیں۔  
(بخاری)

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دین کے اصولوں سے  
بہٹ جائے گا یا اس میں بدعتیں پیدا کرے گا وہ حوض کوثر سے سیراب ہونے کا  
مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

# بہشت اور دوزخ

آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کے لیے فرض ہے ان میں بہشت اور دوزخ بھی ہیں جو انسانوں کے آخری اور ابدی ٹھکانے ہیں۔ قرآن مجید میں بہشت اور دوزخ کے متعلق اتنی زیادہ آیات آئی ہیں کہ اگر انہیں علیحدہ جمع کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو جائے۔ ایسے ہی کتب حدیث میں بھی بہشت اور دوزخ کے بارے میں بہت احادیث ہیں:

جنت اور دوزخ کے بارے میں قرآن و احادیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کے بارے میں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ان دونوں جگہوں کی اصلی حقیقت کا علم وہاں پہنچ کر مشاہدے ہی سے ہو سکتا ہے کیونکہ جن مقامات کو نہ کسی انسانی آنکھ نے کبھی دیکھا نہ کسی انسانی کان نے کبھی اس کی آوازیں ہی سنیں، ان میں جو کچھ بھی احوال و کیفیات ہیں ان کو بیان کرنے کے لیے انسانی زبان میں الفاظ ہی نہیں ہو سکتے۔ بس اتنا ہی کیا گیا ہے کہ انسانی زبانوں میں پائے جانے والے الفاظ کی مدد سے وہاں کے احوال و کیفیات کا کچھ تصور دلا دیا گیا ہے۔ باقی وہاں کے احوال و حقیقت کیا ہوں گے یہ اللہ ہی کے علم میں ہے اور انسانوں کے علم میں کبھی اس وقت آجائیں گے جب وہ وہاں پہنچ جائیں گے۔ جنت اور دوزخ کے احوال پڑھتے وقت اس بیان کو وہ حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہیے

در اصل آیات واحادیث میں جو جنت اور دوزخ کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہے ہی نہیں کہ لوگوں کے سامنے وہاں کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا اور ٹھیک ٹھیک نقشہ آجائے، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اس کے عذاب کا خوف پیدا ہو اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں اور جنت اور اس کی بہاروں اور لذتوں کا شوق اُبھرے، تاکہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں جو جنت میں پہنچانے والے اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں۔

چنانچہ جنت اور دوزخ کے بارے میں آیات واحادیث کا اصلی حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے سننے سے شوق اور خوف کی کیفیتیں پیدا ہوں نہ کہ انسان وہاں کے احوال کی ٹھیک ٹھیک اور اصلی شکلیں متعین کرنے کے چکر میں پڑ کر اس مقصد ہی کو نظر انداز کر دے جس کے لیے یہ آیات واحادیث آئی ہیں۔

ذیل کی آیات واحادیث میں جنت اور دوزخ دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے:

” دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہیں، جو جنتی ہیں وہی اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔“

(المشر: ۲۰)

” اور جنتی دوزخیوں کو پکار کر کہیں گے کہ جو وعدہ ہم سے تمہارے پروردگار نے کیا تھا ہم نے اس کو سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچ پایا جو تم سے تمہارے پروردگار نے کیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں۔ پھر ان کے درمیان ایک پکارنے والا پکارے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔“ (الانعام: ۱۱۰)

”بھلا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے ایک صاف اور صریح ہدایت  
پہنچے اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کو اس کے بڑے عمل اچھے  
کر کے دکھلائے گئے...“ (محمد ۱۴)

”کیا آپ کو اس چھا جانے والی آفت (یعنی قیامت) کی کچھ خبر  
پہنچی ہے؟ کچھ چہرے اس روز خوف زدہ ہوں گے، سخت مشقت  
کریں گے، تھکے جاتے ہوں گے۔ شدید آگ میں جلیں رہیں  
ہوں گے (اور) کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جائیں گے (اور)  
ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہیں ہوگا۔  
چونہ تو رکھانے والوں کو) فریب کرے گا اور نہ (ان کی) ٹھوک کو رفع  
کرے گا اور کچھ چہرے اس روز بارونق (اور) اپنے (نیک) اعمال  
کی بدولت خوش ہوں گے (اور) بہشت بریں میں ہوں گے جس میں  
(وہ) کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اس (بہشت) میں بہتے ہوئے چشمے  
ہوں گے (اور) اس میں اونچے اونچے تخت (بکھے) ہوں گے اور ان بزرے  
دھرے ہوں گے اور برابر برابر لگے ہوئے گدے (تیکے) ہوں گے اور  
سب طرف نفیس فرش پھیلے پڑے ہوں گے۔“

(الغاشیہ از آتا ۱۶)

”کچھ چہرے اس دن (ایمان کی وجہ سے) روشن اور (سرت کے باعث)  
خنداں و شاداں ہوں گے اور کچھ چہروں پر اس روز (کفر کی وجہ سے)  
شاک اڑ رہی ہوگی (اور) کلونس چھائی ہوگی۔ یہی کافروناحیر لوگ  
ہوں گے۔“

(سورہ عبس از ۴ تا ۱۲)

قرآن مجید کے سٹائسیوں پارے میں سورہ واقعہ میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ تین حصوں میں بانٹ دیے جائیں گے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو بہت ہی زیادہ نیکو کار ہوں گے۔ انہیں السالقبون کہا گیا ہے، یعنی آگے نکل جانے والے مراد ہے کہ بہت اعلیٰ درجے کے لوگ۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو سالقبون جتنے نیکو کار تو نہیں ہوں گے، تاہم نیک لوگ ہوں گے انہیں ”دائیں ہاتھ والے“ کہا گیا ہے۔

تیسرا گروہ بُرے اور بد عمل لوگوں کا ہوگا۔ انہیں ”بائیں ہاتھ والے“ کہا گیا ہے پھر ان تینوں گروہوں کی جزا و سزا کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

”جب قیامت واقع ہوگی جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں ہے تو وہ (بعض کو) پست کر دے گی (اور بعض کو) بلند کر دے گی،

جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور چار بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے اور تم تین قسم ہو جاؤ گے۔ سو جو

دائیں ہاتھ والے ہیں (تو وہ) دائیں ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں اور

جو بائیں ہاتھ والے ہیں (تو وہ) بائیں ہاتھ والے کیسے بُرے ہیں۔ اور

بہت اعلیٰ درجے کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں جو خدا تعالیٰ کے ہاتھ

خاص قرب رکھتے ہیں۔ (یہ مقرب لوگ نعمتوں والے بانوں میں ہوں

گے ان کا ایک گروہ تو اعلیٰ لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پھیلے

لوگوں میں سے ہوں گے۔ وہ لوگ ہونے کے لیے ہونے تاروں کے

تیشوں پر کیسے نکائے آسنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے آس پاس

ایسے لڑکے جو ہمیشہ اڑتے ہیں۔ ان کے آجورے اور آفتابے

اور تین بولی شراب سے بھرا ہوا جام لے کر آئیں جائیں گے (یہ شراب

ایک پاک مشہور آب ہوگا کہ اس سے) نہ ان کو درد سر ہوگا اور نہ

عقل میں متراٹے گا۔ اور وہ لڑکے ان کے پاس وہ (میوے) لے کر آئیں جائیں گے، جن کو وہ پسند کریں گے اور (نیز) پرندوں کا وہ گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا۔۔۔ الخ۔ اور جو رہنے لگتے وہ ان میں (تو وہ) اپنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے کانٹے کی بیریاں ہوں گی اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا، اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی۔۔۔ الخ۔

اور بائیں ہاتھ والے (تو وہ) بائیں ہاتھ والے کیسے بُرے ہیں۔ وہ ٹوک کی لپٹ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں، جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش۔ وہ لوگ اس سے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوشحالی میں رہتے تھے اور بُرے بھاری گناہ (یعنی شرک و کفر) پر اصرار کرتے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور بڑیاں (ہو کر) رہ گئے تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ کیے جائیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کیے جائیں گے، ایک معین تاریخ کے وقت۔ پھر اسے گراہو، جھٹلانے والوں تمہیں زقوم کے درخت سے کھانا ہوگا پس اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر کھرتا ہوا پانی پینا ہوگا پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا (یعنی کہ) ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی۔ ہم نے تم کو (اول بار) پیدا کیا ہے جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو تو، پھر تم (دوسری دفعہ) پیدا کیے جانے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟

(الواقعه رکوع نمبر ۱، اور رکوع نمبر ۲ میں سے)

احادیث نبوی میں بھی بہشت اور دوزخ کی بڑے دلچسپ اور پیارے انداز میں نکالی گئی ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت تکالیف سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ نفسانی خواہشات سے گھری ہوئی ہے۔

(مسلم)

اس جامع حدیث میں حضورؐ نے جو کچھ واضح فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جنت حاصل کرنا ہو تو مشقت، اور تکالیف میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ عبادات کو ان کی تمام شرائط پوری کرتے ہوئے ادا کرنا، مخلوق کے حقوق کا دھیان رکھنا، ملک و ملت کی خدمات بجالانا، تنگی تکالیف، دکھ مصیبت میں صبر و استقلال سے کام لینا اور زندگی کے ہر نشیب و فراز میں خدا کی رضا کو پیش نظر رکھنا، یہ سب کام ایسے ہیں جنہیں کرتے ہوئے بہر حال تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے مگر اس کا اجر اللہ تعالیٰ کی جنت ہے۔ گویا جنت ان تکالیف سے گھری ہوئی ہے کہ ان سے گزر کر ہی جنت تک پہنچا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی جو شخص نفسانی خواہشات پوری کرنے میں لگا رہے گا وہ انجام کار دوزخ کا مستحق ہو جائے گا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ خواہشات سے یہاں مراد ناجائز خواہشات ہیں۔ جائز خواہشات پوری کرنے سے انسان دوزخ کا حقدار نہیں ہوتا البتہ یہ ضرور ہے کہ جائز خواہشات کو پورا کرتے ہوئے بھی مبالغے سے کام لینا اور اکثر اوقات خواہشات ہی کو پورا کرنے میں لگے رہنا بہر حال خطرناک ہے کیونکہ جائز خواہشات کے معاملے میں بھی بہت زیادتی کرنا آخر انسان کو خدا کی یاد اور تکیہ کی نیک انجامی کے خیال سے غافل کر دیتا ہے اور عجب نہیں کہ خواہشات بن جانے کے باعث آخر انسان ناجائز خواہشات بھی پوری کرنے لگے



اور دوزخ کا مستحق ہو جائے۔ گویا نفسانی خواہشات نے دوزخ کو گھیر رکھا ہے اور جو ان میں مبتلا رہے گا آخر دوزخ میں پہنچ کر ہی دم لے گا۔ یہی مضمون ہے جو آگے والی حدیث میں زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا تو حضرت جبریلؑ کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ (جا کر) جنت کو دیکھو اور (راحت و آرام کے) اس (ساز و سامان) کو دیکھو جو میں نے اہل جنت کے لیے تیار کیا ہے۔ پس جبریلؑ جنت میں آئے اور اسے (دیکھا) اور اس (ساز و سامان) کو دیکھا جو خدا تعالیٰ نے اس میں اہل جنت کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹے (اور عرض کیا کہ) خدایا تو نے یہ جنت اتنی پرکشش اور آرام دہ بنائی ہے کہ (تیری عزت کی قسم جو کوئی بھی اس کے بارے میں سن پائے گا وہ) (پوری کوشش کرے گا کہ اس میں داخل ہو اور آخر کار) اس میں داخل ہو کر رہے) گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنت کے بارے میں حکم فرمایا کہ اسے تکالیف اور مشقتوں سے گھیر دیا جائے) تو اسے تکالیف سے گھیر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ سے فرمایا کہ جنت کی طرف جاؤ اور دیکھو کہ میں نے اس میں اہل جنت کے لیے کیا کچھ تیار کیا ہے۔ پس جبریلؑ (دوبارہ) جنت کی طرف گئے تو دیکھا کہ وہ تو تکلیف دہ امور سے گھری ہوئی ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپس آئے اور عرض کیا کہ (خدایا) آپ کی عزت کی قسم (اب تو) مجھے یہ خوف ہے کہ اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہو سکے گا۔ (پھر) اللہ تعالیٰ نے

ربلتر

(حضرت جبرئیلؑ سے) فرمایا کہ (اب) دوزخ کی طرف جاؤ اور اسے دیکھو اور ان (عذاب دینے والی) چیزوں کو بھی دیکھو جو میں نے اس میں دوزخیوں کے لیے مینا کی ہیں (لہذا حضرت جبرئیلؑ دوزخ کی طرف گئے) اور کیا دیکھا کہ (اس کی سولنائی کا وہ عالم ہے کہ گویا) اس کا ایک حصہ دوسرے حصے پر سوار ہو رہا ہے۔ پھر جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ کی طرف واپس آئے اور عرض کیا کہ (خدایا) تیری عزت کی قسم (دوزخ تو ایسی ڈراؤنی جگہ ہے کہ) جو کوئی اس کے بارے میں سُن پائے گا (وہ اس سے بچنے کی پوری کوشش کرے گا لہذا) وہ کبھی اس میں داخل نہ ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے بارے میں حکم فرمایا کہ اسے نفسانی خواہشات سے گھیر دیا جائے، پس اسے نفسانی خواہشات سے گھیر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (جبرئیلؑ کو) حکم دیا کہ (دوبارہ) دوزخ کی طرف جاؤ، چنانچہ وہ اس کی طرف گئے اور (پھر واپس آکر) عرض کیا (خدایا) تیری عزت کی قسم (اب تو) مجھے خوف ہے کہ اس سے ایک بھی نہ بچ سکے گا۔ سبھی اس میں جا داخل ہوں گے۔

(ترمذی)

حضرت عبداللہ (بن مسعود) بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت تم میں سے کسی کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے اور یہی صورت دوزخ کی بھی ہے۔

(ترمذی)

جنت اور دوزخ کا انسان کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ موت انسان کے ہر وقت قریب ہے ایک سالس لیا ہے۔ خدا معلوم دوسرا آئے گا یا نہیں آئے گا اور اگر چہ انسان کا مستقل طور پر جنت یا دوزخ میں جانا تو قیامت کے بعد ہی ہوگا مگر اس کے اچھے یا بُرے اعمال کی جزایا سزاؤ قبری میں ملنی شروع ہو جاتی ہے

پھر قیامت کے بارے میں بھی تو کچھ نہیں کہا جاسکتا ہو سکتا ہے کہ وہ بھی قریب ہی آگئی ہو اور اس کے بعد تو پھر جنت یا خدا نخواستہ دوزخ ہی ہے۔ لہذا انسان جنت اور دوزخ کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اپنی غفلت کے باعث اسے اس کا احساس نہ ہو۔

ایک دوسرا مفہوم بھی جو اس حدیث پاک سے نکل سکتا ہے یہ ہے کہ انسانی دل کی کیفیات بڑی پیرا سرار ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بُرائی کے راستے پر جا رہا ہو مگر کوئی اچانک واقعہ اس کے دل کو بدل دے اور وہ نیکی کی راہ اختیار کر کے جنت کا مستحق ہو جائے۔ گویا جنت اس کے بالکل ہی قریب تھی اور وہ فوراً اس میں داخل ہو گیا۔ ایسے ہی عین ممکن ہے کہ کوئی شخص نیکی کی راہ پر جا رہا ہو مگر کسی اچانک واقعے سے متاثر ہو کر برائی کی راہ اختیار کر کے دوزخ کا مستحق ہو جائے گو یا دوزخ اس کے بالکل قریب ہی تھی کہ وہ فوراً اس میں داخل ہو گیا۔ جب صورت یہ ہے تو پھر برائی کی راہ پر چلنے والے کے لیے ناامید ہو جانے کا کوئی موقع نہیں۔ جنت اس کے بالکل ہی قریب ہے۔ وہ سچی توبہ کر کے نیکی کی راہ اختیار کرے اور اس میں آجائے اور نیکی کی راہ پر چلنے والے کے لیے فخر اور خود پسندی کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوزخ اس کے قریب ہی ہے۔ کیا پتہ کب اس کا دل بدل جائے اور وہ برائی کی راہ اختیار کر کے اس میں داخل ہو۔ لہذا اس دنیوی زندگی کو گزارتے ہوئے ایک طرف ناامید ہو جانے سے بچنا ضروری ہے اور دوسری طرف فخر و خود پسندی کے لیے قطعی کوئی جواز نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ اور جنت نے باہم بحث کی۔ دوزخ نے کہا کہ مجھ میں جبار اور متکبر

لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا کہ مجھ میں کمزور اور مسکین لوگ داخل ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے، تیرے ذریعے میں جسے چاہوں گا عذاب دوں گا اور کبھی یوں بھی فرماتے کہ تیرے ذریعے میں جسے چاہوں گا تکلیف دوں گا اور جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ذریعے میں جس پر چاہوں گا رحم فرماؤں گا اور تم دونوں میں سے ہر ایک نے بھرا جانے۔

(مسلم)

حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ وہ مغرور لوگ جو دنیا میں کمزوروں پر جبر کرتے اور بکتر سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کا نشانہ بنانے کے لیے اپنی عذاب دینے کی جگہ یعنی جہنم میں داخل کر دے گا اور وہ کمزور اور مسکین لوگ جنہیں جبار اور متکبر لوگ ادنیٰ سمجھتے ہوئے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، آخرت میں خدا کی رحمت کے مقام یعنی بہشت میں جگہ پائیں گے اور اس طرح وہ جبار اور متکبر لوگ دیکھ لیں گے کہ فی الحقیقت کون ادنیٰ تھا اور کون اعلیٰ۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت مانگے تو جنت کہتی ہے کہ اے خدا، اسے جنت میں داخل فرما دے۔ اور جو شخص تین بار دوزخ سے پناہ مانگے تو دوزخ کہتی ہے کہ اے خدا اسے دوزخ سے پناہ عطا فرما۔

(ترمذی)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں برابر لوگ ڈالے جاتے رہیں گے (مگر وہ بھرے گی نہیں بلکہ) وہ کہتی رہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے۔ یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا

قدم رکھیں گے تو پھر اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے جڑ جائے گا (یعنی وہ سکتا جائے گی) اور کہے گی کہ (خدا یا) تیری عزت اور کرم کی قسم بس بس۔ اور جنت میں برابر حصہ خالی رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے (اور) مخلوق پیدا کرے گا اور اُسے جنت کے خالی حصے میں سکونت پذیر کرے گا۔ (یعنی جنت اور جہنم دونوں بہت زیادہ وسیع ہوں گے) (مسلم)

حضرت علاء بن زیاد (تابعی) دوزخ کا ذکر کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے کہا کہ آپ (دوزخ سے ڈرا ڈرا کر) لوگوں کو (بخشش سے) ناامید کیوں کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ کیا میں قدرت رکھتا ہوں کہ لوگوں کو ناامید کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا عِبَادِىَ اتَّقِىنَ اَسْرَافُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اٰتِىٰكُمْ  
رَحْمَةً اٰتِىٰكُمْ (الزمر ۵۳)

” اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔“ نیز وہ (یہ بھی) فرماتا ہے کہ

وَ اِنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ النَّارِ - (المومن ۲۳)

اور حد سے گزرنے والے آگ میں جانے والے ہیں۔

دلہذا میں لوگوں کو ناامید نہیں کر رہا بلکہ حد سے گزرنے والوں کو دوزخ سے

ڈرا رہا ہوں، مگر تم لوگ ہی پسند کرتے ہو کہ بہار بڑے اعمال کے باوجود تمہیں جنت (ہی)

کی خوش خبری دی جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف

اسی لیے مبعوث فرمایا تھا کہ جو شخص آپ کی اطاعت کرے اُسے جنت کی

خوش خبری دے دیں اور جو کوئی آپ کی نافرمانی کرے اسے دوزخ سے ڈرائیں۔

(بخاری)

اس حدیث میں اسی بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا ایمان اسی صورت میں صحیح طور پر قائم رہ سکتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کے عذاب کا خوف بھی ہو اور اس کی رحمت کی امید اور سبق بھی۔ کلام پاک میں عام طور پر ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں جہنم کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی جنت کا بھی کر دیا ہے اور انسانوں کو اپنی رحمت اور اپنے قبر رونوں کی اطلاع فرمائی ہے۔ کیونکہ انسان کا بے انتہا خوف کا شکار ہو جانا یا نامناسب حد تک پر امید ہو جانا دونوں اس کے ایمان اور اسلامی سیرت و کردار کے لیے مضر ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا اُسے اس کا دوزخ والا (وہ) ٹھکانہ دکھایا جائے گا (جو اُسے ملتا) اگر وہ بُرائی کرتا تاکہ (جنت ملنے پر) وہ زیادہ شکر گزار ہو۔ اور جو کوئی بھی دوزخ میں داخل ہوگا اُسے اس کا جنت والا (وہ) ٹھکانہ دکھا دیا جائے گا (جو اُسے ملتا) اگر وہ نیکی کرتا تاکہ (اس سے محروم رہ کر دوزخ میں چلے جانا) اس کے لیے موجب حسرت ہو۔

(بخاری)

# بہشت

کلام پاک اور حدیث رسولؐ میں جنت کی جو تفصیلات دی گئی ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے تصور کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسی دلفریب سرزمین آجاتی ہے جہاں راحت ہی راحت اور سکون ہی سکون ہے۔ وہاں ایک ابدی زندگی ہے جس کو نہ کسی موت پر جا کر ختم ہونا ہے اور نہ کسی غم کے کانٹے سے الجھنا ہے۔ انسان کی دنیوی زندگی جس طرح غموں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے اُسے پیش نظر رکھتے ہوئے اگر ایک ایسی زندگی کا تصور کیا جائے جہاں غم کا وجود ہی نہیں ہو گا تو دل رنجور بے تاب ہو جاتا ہے کہ اے کاش وہاں پہنچنا نصیب ہو جائے جہاں دکھوں کے نشتروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات مل جاتی ہے۔

جس پاک سرزمین میں خونریز جنگیں اور ان کی پیدا کردہ ہولناکیاں نہیں ہوتیں جہاں وبائیں پھوٹ کر آبادیوں کو ویرانے نہیں بناتیں، جہاں بیماریوں اور بے روزگاریوں کی اذیتیں پائل نہیں کرتیں، جہاں انسان ایک دوسرے سے حسد اور بغض نہیں رکھتے، ایک دوسرے کو فریب نہیں دیتے، ایک دوسرے کے منہ سے لڑا لے نہیں چھینتے، ایک دوسرے کی نیتوں پر حملے نہیں کرتے، اور ایک دوسرے کے گلے نہیں کاٹتے، جہاں نسلوں، رنگتوں اور زبانوں کی بنیاد پر خون کی ندیاں نہیں بہائی جاتیں، جہاں والدین کے دلوں میں یہ بول نہیں ہوتا کہ

اولادِ فتنہ کے بڑے اثرات قبول کر کے کہیں بدکردار نہ ہو جائے۔ جہاں "کل کیا ہوگا" کا خدشہ راتوں کی نیندیں حرام نہیں کرتا، جہاں بے وفائی، بے مروتی، احسان ناشناسی اور طوطا چسپی دل کے ٹکڑے نہیں اڑاتیں، جہاں قوموں کی بدکرداریاں اور بد عملیاں رسوا کن عذابوں اور دولتوں کو جنم نہیں دیتیں، وہ سرزمین کتنی خوبصورت کتنی مقدس، کتنی ارفع اور کتنی دلفریب ہوگی! خوشا بخت وہ انسان جو وہاں پہنچ جائے!

آیات و احادیث ہیں جو تفصیلات دیتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ غم کے فقدان کے علاوہ جنت میں کسی قسم کا معمولی سا جسمانی آزار بھی نہ ہوگا نہ سردی کی شدت کی تکلیف ہوگی نہ گرمی کی، نہ ٹکان ہوگی نہ کوئی بیماری۔ انسان ایک ابدی آرام اور سکون کی حالت میں رہے گا اور کسی ایسی شے کا وجود نہیں ہوگا جو اس سکون میں ذرا سا بھی رخنہ ڈالے۔

آیات و احادیث میں بہشت کی خوبصورتی، سرسبزی اور دلفریبی کی بڑی دلکش تفصیلات دی گئی ہیں۔ اس دنیوی زندگی میں انسان کے لیے جو اشیاء دل پسند اور جاذب توجہ رہی ہیں انہیں کا نام لے کر وہاں کی جاذبیت اور دلفریبی کا تصور دلایا گیا ہے۔ باغات، پودے، پھول، پھل اور بہتے پانی، انسانوں کے لیے ہمیشہ کشش کا باعث رہے ہیں۔ چنانچہ اس سرزمین کی تفصیلات بتانے میں انہیں چیزوں کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ انسان طبعاً اس کو پسند کرتا آیا ہے کہ اس کی غذا، اس کا لباس اور اس کی رہائش گاہ اچھی سے اچھی ہو۔ چنانچہ اسے بتایا گیا ہے کہ اگر زندگی میں تم نیکو کاری کی راہ پر چلتے رہے اور ان مرغوب چیزوں کو حرام ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی تو یہ سب کچھ تمہیں مل جائے گا، اور ملے گا بھی اس طرح کہ پھر کبھی بھی نہیں چھنے گا۔ انسان کو ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے کہ اسے عزت و آبرو



حاصل ہو اور اس کا اکرام کیا جائے۔ چنانچہ اسے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر اپنی دنیوی زندگی میں اس نے خدا اور رسول کے احکام کے مطابق اپنے فرائض اور نبی نوع انسان کے حقوق ادا کیے تو آخرت میں اسے وہ عزت افزائی حاصل ہوگی کہ اللہ رب العالمین خود اور اس کے فرشتے اسے سلام کہیں گے۔

انسان کے لیے یہ شے ہمیشہ پسندیدہ رہی ہے کہ کسی کے دل میں اس کے خلاف دشمنی، کینہ اور بغض نہ ہو۔ چنانچہ اسے بتایا گیا ہے کہ بہشت میں کسی کے دل میں کسی کے خلاف دشمنی، کینہ اور بغض نہیں ہوگا۔ اہل بہشت کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح نرم اور حسد سے خالی ہوں گے۔

انسان نے ہمیشہ خوبصورتی اور نوعمری کو پسند کیا ہے اور بد صورتی اور بڑھاپے سے پناہ مانگی ہے۔ چنانچہ اسے بتایا گیا ہے کہ بہشت میں سب لوگ حسین اور نوعمر ہوں گے وہاں بد صورتی اور بڑھاپے کا وجود نہیں ہوگا۔

انسان نے ہمیشہ صحت، تندرستی اور زندگی کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ اسے بتایا گیا ہے کہ اہل بہشت ہمیشہ سچتمند رہیں گے اور کبھی بھی موت سے ہمنار نہیں ہوں گے۔

آخرت کی زندگی کی یہ چیز کہ وہ زندگی قائمی اور دائمی ہوگی، بڑی ہی اہم چیز ہے۔ یہ وہ شے ہے کہ جتنا بھی اس پر غور کیا جائے۔ یہ ایمان کو بڑھانے کا باعث بنتی ہے۔ اگر موجودہ مختصر سی زندگی میں نیکی، صبر، دیانت داری، فرض شناسی اور اطاعت خدا و رسول اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ایسی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے جس کا شروع کا کنارہ تو ہے لیکن آخری کنارہ کوئی نہیں ہے۔ تو پھر یہ کس قدر نفع کا سودا ہے، اور کتنا نادان اور کوتاہ نظر ہے وہ شخص جو یہ سودا کرنے سے کستی برتے یا سرے سے اسے نفع کا سودا سمجھنے ہی سے

انکار کر دے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا چوتھا حصہ اس شہر کے سب سے زیادہ پوکشیار، سمجھ دار آدمی کو دیا جائے اور ارب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ چوتھا حصہ اس کو دیا جائے جو فکرِ آخرت رکھتا ہو اور متقی ہو۔ آخرت کی نعمتوں میں ایک عظیم نعمت یہ ہوگی کہ بندہ ناچیز اپنے عظیم اور جلیل معبود کا دیدار کرے گا جسے وہ موجودہ زندگی میں کبھی بھی نہیں دیکھ سکتا یہ سب لذتوں سے بڑی لذت ہوگی۔ اور پھر تمام نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ اہل جنت کو اپنے پیدا کرنے والے کی دائمی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سے خوش اور راضی ہو جائے گا اور اس بات کا خدشہ کلی طور پر مٹ جائے گا کہ اب وہ کبھی بھی ان سے ناراض ہو۔ جس انسان کو یہ نعمت حاصل ہو جائے تو پھر اس سے بڑی اور کون سی نعمت ہے جس کی وہ آرزو کرے۔

جنت کے متعلق قرآن مجید میں بہت زیادہ آیات آئی ہیں ان ہی سے کچھ یہاں نقل کی جاتی ہیں :-

”اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور اس بہشت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ اتنا ہے جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ۔ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔“

(الحمدید ۲۱)

”اور جب تو وہاں (یعنی بہشت کی طرف) نظر ڈالے گا تو وہاں نعمتیں

(الذھر: ۲)

اور ایک بڑی بادشاہت دیکھے گا۔“

”جنتی اس دن اچھی قرار گاہ اور بہتر خواب گاہ میں ہوں گے۔“

(الفرقان ۲۴)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ باغہائے بہشت کے سبزہ زاروں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کو درکار ہو گا۔ ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لیے موجود ہو گا، یہی بڑا فضل ہے یہی وہ چیز ہے جس کی خوشخبری خدا اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔“

(الشوریٰ ۲۲، ۲۳)

”تو کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ لوگوں کے نیک عملوں کے بدلے میں کیسی کیسی آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے پردہ غیب میں مخفی ہے۔“

(السجدہ ۱۷)

”پرہیزگاروں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا جا رہا ہے اس کی تمثیل یہ ہے کہ اس کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ اس کے پھل اور اس کا سایہ سدا بہار ہوں گے۔ یہ ہے ان لوگوں کا انجام جو پرہیزگاری کرتے رہتے۔“

(الرعد ۲۵)

”نہ اس (جنت) میں انہیں کوئی تکلیف چھوٹے گی اور نہ وہ اس سے باہر نکالے جائیں گے۔“

(انجیر ۲۸)

”نہ اس میں سورج کی تپش دکھیں گے اور نہ کڑا کے ک سردی۔“

(الدھر ۳۱)

”جنتیوں کی اتنی عزت و افزائی کی جائے گی کہ انہیں یہ درکار مہربان کی طرف سے سلام کا جائے۔“

”اور (حقیقی) کہیں گے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے تم کو دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بخشنے والا قادر دان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے آوارہ بننے کے گھر میں اتارا۔ نہ اس میں ہمیں کوئی تکلیف چھوٹی ہے اور نہ اس میں ہمیں کوئی ماندگی چھوٹی ہے۔“

(فاطر ۳۴ - ۳۵)

”اور فرشتے ہر دروازے سے ان پر داخل ہوں گے، اور (کہیں گے کہ) تم پر سلام ہوا اس لیے کہ تم نے صبر کیا تھا۔ سو آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے۔“

(الرعد ۲۳، ۲۴)

”البتہ جو لوگ ایمان آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کی صیافت کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں سے اٹھنا نہیں چاہیں گے۔“

(الکہف ۱۰۷، ۱۰۸)

”ان کے لیے وہاں میوے ہوں گے اور ان کے لیے وہ (سب کچھ) ہوگا جو وہ مانگیں گے۔ پروردگار مہربان کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔“

(دہش ۵۷ - ۵۸)

”تو اس روز مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا۔ انہیں کہا جائے گا: آج تم لوگوں کے لیے خوشی ہے۔ باغ میں جن کے تلے نہیں بہ رہی ہیں، انہیں میں ہمیشہ رہو گے، یہی ہے بڑی کامیابی۔“

(الحمد ۱۲)

”اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے رہیں اور انہیں بنا بنا کر

بہشت کی طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ

بہشت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھولے جا چکے ہوں گے اور بہشت کے محافظان سے کہیں گے کہ السلام علیکم (اور کہیں گے کہ) تم مزے میں رہو، سو اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ اور یہ کہیں گے کہ خدا کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ ہمیں سچ کر دکھایا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنایا کہ ہم بہشت میں جہاں چاہیں تو عمل کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے، اور تو فرشتوں کو دیکھتے گا کہ غرش کے گرداگرد حلقہ باندھے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، اور یہ صدا ہوگی کہ سب تعریفیں خدا کو سزاوار ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

(الزمر ۳، ۴، ۵)

(نیکو کار انسان سے کہا جائے گا۔)

”اے روح مطمئن تو اپنے پروردگار کی طرف چل تو اس سے خوش (اور) وہ تجھ سے خوش۔ پھر ہمارے بندوں میں جا مل اور ہماری بہشت میں جا داخل ہو۔“

(الفجر از ۲ تا ۳)

”یہ (نیکو کار لوگ) خدائی گروہ ہیں۔ جان لو کہ خدائی گروہ ہی فلاح حاصل کرنے والا ہے۔“

(المجادلہ ۲۲)

”کتنے ہی چہرے (ہوں گے کہ) اس دن چمکتے ہوں گے، سبشاش بشاش اور خوش و خرم۔“

(عبس ۳۸، ۳۹)

”کتنے ہی چہرے (ہوں گے کہ) اس دن تروتازہ ہوں گے۔ جو اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے۔“

(القیٰمہ ۲۲، ۲۳)

”تو ان (نیکو کاروں) کے چہروں پر نعمت کی تازگی معلوم کرے گا۔“

راہِ مُصْفٰیۡنَ ۲۴

”اور جو کچھ کہدورت ان کے دلوں میں (ایک دوسرے کی طرف سے) ہوگی ہم اسے نکال دیں گے“ (الاعراف ۴۳)

”وہاں (جنت) میں سوائے پہلی موت کے (جس کا مزہ چکھ چکے) اور موت کا مزہ نہیں چکھیں گے، اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔“ (الدخان ۵۶)

”ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور خوشنودی اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے جس میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہوں گی۔“

(التوبہ ۲۱)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے دل میں (اس کا خیال گزرا) یہ بے مثال نعمتیں نیکو کاروں کے لیے (ذخیرہ کی ہوئی ہیں۔ چھوڑو) ان نعمتوں کو (جنہیں تم (قرآن و حدیث کے ذریعے) جان چکے ہو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ

أَعْيُنٍ وَجَنَّاتٍ مِّن دُونِهَا يَخْسَرُونَ۔ (السجدة، ۱)

”پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لیے چھپا رکھا گیا ہے اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے۔“ (بخاری)

یہ خود فرمایا گیا ہے کہ چھوڑو ان نعمتوں کو جن پر تم اطلاع پانچکے ہو اس سے مراد یہ وہاں کرنا ہے کہ بہشت کی وہ نعمتیں جن کی ابھی ہمیں اطلاعات نہیں دی ہیں وہ

ان انہوں سے بہت اعلیٰ و ارفع ہیں جن کی اطلاع تمہیں مل چکی ہے۔  
حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
جو شخص جنت میں داخل ہو جائے گا وہ (مہیشہ) عیش میں رہے گا، اُسے کوئی رنج و  
تکلیف نہیں پہنچے گی۔ نہ اس کے کپڑے پُرانے ہوں گے اور نہ اس کا شباب  
فنا ہوگا۔ (مسلم)

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جنت میں) ایک پیکار کرنے والا پیکارے گا کہ (اے اہل جنت!)  
تمہارے لیے یہ مقرر ہو چکا ہے کہ تم صحت مند رہو گے، کبھی بھی بیمار نہیں ہو گے اور تمہارے لیے یہ  
مقرر ہو چکا ہے کہ تم زندہ رہو گے، کبھی بھی نہیں مرو گے، اور تمہارے  
لیے یہ مقرر ہو چکا ہے کہ تم جوان رہو گے، کبھی بھی بوڑھے نہیں ہو گے، اور تمہارے  
لیے یہ مقرر ہو چکا ہے کہ تم عیش و آرام میں رہو گے، کبھی بھی رنج و تکلیف کا شکار  
نہیں ہو گے۔ بس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا:

وَذُوْدًا اٰنْ نَّبِّكُمْ الْجَنَّةُ اَوْ رِثْتُمْوهَا بَاكُنْتُمْ  
تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف ۴۳)

”اس وقت ندا آئے گی کہ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو  
تمہیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے رہے تھے۔“

(مسلم)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے جنت والو، وہ (جو اب) عرض کریں گے  
لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ اے ہمارے رب  
ہم تیری خدمت میں بار بار حاضر ہیں، تیری عبادت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں  
اور ساری کی ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے (اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم

راضی اور خوش ہو۔ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہمہ راضی اور خوش نہ ہوں جب صورت یہ ہے کہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرما دیا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی افضل شے عطا نہ کروں وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب اس سے افضل اور کون سی شے ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس سے افضل شے یہ ہے کہ میں تم پر اپنی خوشنودی نازل کرتا ہوں۔ پس اس کے بعد میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(مسلم)

حمید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو بیان کرتے سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کے لیے اللہ کے پاس بھلائی ہوتی ہے وہ مرنے کے بعد یہ نہیں چاہتا کہ دنیا کی طرف واپس آئے چاہے اسے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے (سب) دے دیا جائے سوائے شہید کے۔ وہ چونکہ شہادت کی فضیلت دیکھ چکا ہوتا ہے اس لیے وہ پسند کرتا ہے کہ دنیا کی طرف واپس آئے اور ایک دفعہ پھر (اللہ کی راہ میں) قتل کیا جائے (حمید راوی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے (یہ بھی) روایت کرتے سنا کہ اللہ کی راہ میں رات کے وقت نکلنا یا دن کے وقت نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کی بہشت میں کمان بھر جگہ یا چابک بھر جگہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور اگر اہل جنت میں سے کوئی عورت زمین والوں کی طرف رخ کرے تو جو کچھ آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے سب کو روشن کر دے اور خوشبو سے بھر دے اور بے شک اس کا وہ دوپٹہ جو اس کے سر پر ہے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

(بخاری)

قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اہل جنت اپنے اپنے اعمال کے لحاظ



سے مختلف درجوں میں ہوں گے۔ بعض نیلے درجوں والے ہوں گے اور بعض اعلیٰ درجات کے مالک ہوں گے اور بالا خانوں میں رہیں گے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نیلے درجات والے) اہل جنت اپنے اوپر بالا خانوں والوں کو اس طرح دکھیں گے جس طرح تم (آسمان کے) مشرقی یا مغربی کنارے پر موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ دیکھتے ہو جو ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے۔ یہ اس لیے ہوگا کہ اہل جنت کے درمیان (درجات کی) فضیلت کا فرق ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (کیا) یہ انبیاء کے مقامات ہوں گے جن پر کوئی اور نہیں پہنچ سکے گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیوں نہیں پہنچ سکے گا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انبیاء کی تصدیق کی (و وہ وہاں پہنچ سکیں گے)

(مسلم)

یہ حدیث انسان کو اس بات کا شوق دلاتی ہے کہ وہ نیکی کے معاملے میں حریص ہو اور حتیٰ الامکان زیادہ سے زیادہ نیکی کرے تاکہ وہ صرف جنت ہی کا مستحق نہ ٹھہرے بلکہ جنت میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ درجات حاصل کر سکے۔ کیونکہ نیکیوں کی کمی یا زیادتی کے باعث اہل جنت کے درجات میں اتنا فرق ہوگا کہ ایک عام جنتی کے مقابلے میں بلند درجات والے جنتی اتنے زیادہ بلند ہوں گے جتنے ہمارے مقابلے میں وہ ستارے بلند ہیں جنہیں ہم آسمان کے کناروں پر دیکھتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک بازار ہے جس میں جنتی لوگ ہر جمعہ کو آیا کریں گے، پھر شمالی ہوا چلا کرے گی اور وہ ان کے پہروں اور کپڑوں میں (جنت کی زمین کی مٹی یعنی مشک) بھر دیا کرے گی جس سے ان کا سن و جمال اور زیادہ بڑھ جایا کرے گا،

پھر جب وہ اس حالت میں واپس اپنے گھر والوں کے پاس آئیں گے کہ ان کا حسن و جمال زیادہ بڑھ چکا ہوگا تو ان کے اہل خانہ ان سے کہیں گے کہ خدا کی قسم ہمارے (پاس سے جانے کے) بعد تو تم اور بھی زیادہ حسین و جمیل ہو گئے ہو تو وہ (جواب میں) کہیں گے کہ خدا کی قسم تم بھی تو ہمارے (جانے کے) بعد حسن و جمال میں (پہلے سے) زیادہ بڑھ گئے ہو۔

(مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودہویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی اور ان کے بعد جو لوگ جنت میں جائیں گے (ان کے چہرے) آسمان کے جگمگاتے ستاروں سے زیادہ روشن ہوں گے (یہ جنتی لوگ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے دنیا میں گھن آتی ہے) نہ وہ پیشاب کریں گے، نہ پینا نہ کریں گے، نہ ناک صاف کریں گے، نہ تھوکیں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کا پسینہ مشک کی طرح (خوشبودار) ہوگا۔ ان کی انگلیٹیوں میں عود سلگتا ہوگا اور ان کی بیویاں بڑی بڑی آنکھوں والی جوڑیں ہوں گی۔ ان کے اخلاق ایک جیسے ہوں گے (لہذا ان میں باہم حسد، بغض اور لڑائی جھگڑا نہ ہوگا) وہ اپنے باپ آدم کی صورت پر ہوں گے اور قد میں ساٹھ ہاتھ ہوں گے۔

(مسلم)

انسانی دکھوں میں سے بہت سے دکھوں کی تہہ میں انسانوں کے باہمی تعلقات کی خرابی کارفرما ہوتی ہے۔ بہشت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہوگی کہ لوگوں کے باہمی تعلقات انتہائی خوشگوار ہوں گے۔ مسلم کتاب الجنة وصنۃ نعیمہا الخ کی حدیث ایسی میں بھی مندرجہ بالا حدیث کا مضمون بیان ہوا ہے اس کے آخر میں حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے (یعنی اہل جنت کے)

درمیان کوئی مخالفت نہیں ہوگی، نہ ان (کے دلوں) میں ایک دوسرے کے لیے بغض ہوگا۔  
سب کے دل دبا ہی الفت و محبت کے بانٹ مل کر گویا ایک دل ہو گئے ہوں گے۔  
وہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ و بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص وفات پا گیا  
جو مدینے ہی میں پیدا ہوا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز (جنازہ) پڑھی  
اور پھر فرمایا کہ کاش کہ وہ اپنی جائے پیدائش کے سوا کسی اور جگہ فوت ہوتا۔ صحابہؓ نے  
پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کیوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی جائے پیدائش کے سوا  
کسی اور جگہ فوت ہوتا ہے تو اس کی جانے پیدائش سے لے کر اس کی موت کے مقام  
تک (جتنی زمین بنتی ہے اتنی) زمین اسے جنت میں دی جاتی ہے (کیونکہ وہ  
ایک پردہ سی کی حیثیت سے مرا ہوتا ہے۔)

(نسائی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
جنت میں بعض لوگ ایسے جائیں گے جن کے دل (زمی اور توکل میں) پرندوں  
کے دلوں کی مانند ہوں گے۔

(مسلم)

قرآن اور حدیث دونوں میں ایک لفظ "عَلِيَّوْنَ" استعمال ہوا ہے جس  
کے ایک سے زیادہ مطلب بتانے گئے ہیں مثلاً فرشتوں کا وہ دفتر جس میں نیک  
لوگوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں عَلِيَّوْنَ کہلاتا ہے، ایسے ہی اس کا مطلب جنتِ اعلیٰ  
بھی بتایا گیا ہے اور ساتواں آسمان بھی۔ اس کے علاوہ وہ لوگ جو شہر کے اونچے  
مقامات پر رہتے ہیں، امیر اور شریف لوگ وہ بھی اَصْلِ عَلِيَّيْنِ کہلاتے  
ہیں۔ غرضیکہ جنت میں عَلِيَّوْنَ والوں میں سے ہونا بہت زیادہ عزت اور

شرف کی بات ہوگی۔

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیتور و انوں میں سے ایک شخص (عام) اہل جنت کی طرف تھانے گا تو جنت اس کے پہرے کے باعث اس طرح روشن ہو جائے گی گویا وہ موتی کا سا چمکتا ہوا راہو (اور حضور نے یہ بھی فرمایا کہ بے شک ابوبکر اور عمرؓ بھی انہیں میں سے ہوں گے بلکہ ان سے بھی زیادہ ہوں گے۔

(ابوداؤد)

حضرت ہبیل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے جو اتنا بڑا ہے کہ ہوا اس کے سائے میں ستوا برس تک چلتا رہے گا مگر اسے طے نہیں کر سکے گا۔

(مسلم)

حارثہ بن وہب خزاعی بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں جنت والے نہ بتا دوں کہ وہ کون ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہر کمزور شخص جسے لوگ کمزور اور حقیر سمجھتے ہیں (لیکن اس کی نیکو کاری اور خدا پرستی کا یہ عالم ہے کہ) اگر وہ خدا کے اعتماد پر قسم کھالے تو خدا اس کو قسم کو پورا کر دے (ایسا ہر شخص جنتی ہے۔ پھر فرمایا کہ) کیا میں تمہیں دوزخ والے نہ بتا دوں کہ وہ کون ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہر سخت جھگڑاؤ، غلط نسب کا دعویٰ کرنے والا، متکبر (دوزخی ہے)۔

(مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ یہ ایک ایسا شخص ہوگا جو اوند سے منہ دوزخ

سے نکلے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُسے فرمائے گا کہ جا کر جنت میں داخل ہو جا۔ پس وہ جنت کے پال آئے گا تو اس کا یہ خیال ہو گا کہ یہ تو بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ جائے گا اور عرض کرے گا کہ اے میرے رب میں نے تو اسے بھری ہوئی پایا اس پر اللہ تعالیٰ (دوبارہ) فرمائے گا کہ جا کر جنت میں داخل ہو جا۔ پھر وہ اس کی طرف آئے گا تو اُسے یہی خیال گزرے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ پس وہ واپس جا کر (پھر) عرض کرے گا کہ اے میرے رب میں نے تو اُسے بھری ہوئی پایا۔ اللہ تعالیٰ (تیسری بار) فرمائے گا کہ جا کر جنت میں داخل ہو جا، تیرے لیے تو (وہاں) دنیا کے برابر (جگہ) ہے اور اس سے دس گنا (زیادہ) ہے یا (یوں فرمایا) کہ تیرے لیے تو (وہاں) دنیا سے دس گنا زیادہ (جگہ) ہے۔ (اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کے پیش نظر اس کیلئے مشکل ہو جائے گا کہ یقین کرے کہ واقعی اسے اتنا بڑا انعام دیا گیا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ شاید اس سے مذاق کیا جا رہا ہے) چنانچہ وہ عرض کرے گا کہ (اے خدا) تو بادشاہ ہو کر مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔ یا (حضور نے یوں فرمایا کہ وہ کہے گا کہ تو بادشاہ ہو کر) مجھ سے ہنسی کر رہا ہے۔ (اس حدیث کے راوی بتاتے ہیں کہ) پھر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ (یہ بات بتاتے ہوئے) آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ (راوی یہ بھی بتاتے ہیں کہ) کہا جاتا تھا کہ یہ شخص اہل جنت میں سب سے کم رتبے والا ہو گا۔

(بخاری)

حضرت ابن جنین بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذریعے سے ایک گروہ دوزخ سے نکلے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا (پھر اس نسبت سے کہ پہلے وہ لوگ دوزخ میں رہ چکے ہوں گے اور وہاں سے نجات پا کر جنت میں آئے ہوئے) ان کا نام "جہنم والے"

رکھا جائے گا۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ کے پاس ایک دیہاتی شخص (بیٹھا) تھا۔ (حضور نے فرمایا کہ اہل جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت مانگے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ کیا تجھے وہ سب کچھ حاصل نہیں جو تو چاہتا ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ کیوں نہیں لیکن میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کھیتی باڑی کروں پس اللہ تعالیٰ اسے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت مرحمت فرمادے گا تو پھر وہ بلبلی کرے گا اور بیج بوسے گا تو پک جھکنے سے پہلے پہلے وہ آگ میں آئے گا اور کھیتی پک بھی جائے گی اور کاٹ بھی لی جائے گی اور غلے کے پہاڑوں جیسے ڈھیر لگ جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ لے لے، اے آدم کے بیٹے، کوئی چیز تیرا سپٹ نہیں بھرتی۔ (حضور کی یہ بات سن کر) اس دیہاتی نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ اس شخص کو قریشی یا انصاری پائیں گے کیونکہ یہی دگ کھیتی باڑی کرنے والے ہیں۔ ہم تو کھیتی باڑی نہیں کرتے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر (اس کا یہ) حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے چاہے اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اسی سرزمین میں بیٹھا۔ باہو جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، کیا ہم یہ بات لوگوں کو بتا سکتے ہیں حضور نے (اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے) فرمایا کہ جنت میں ننو درجے ہیں جو اللہ نے ان لوگوں کے لیے تیار کئے ہوئے ہیں جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ہر

دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ پس جب تم اللہ سے (کچھ) مانگو تو اس سے فر دوس مانگو کیونکہ وہ جنبت کے وسط میں واقع ہے اور اس کا بلند ترین حصہ ہے۔ اسکے اوپر (خدا نے) رحمن کا عرش ہے اور اسی میں سے برکت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔

(بخاری)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن دوزخ سے چھٹکارا پائیں گے تو انہیں ایک پل پر روک لیا جائے گا جو جنبت اور دوزخ کے درمیان ہوگا پھر انہیں ایک دوسرے سے بدلہ دلا یا جائے گا ان مقام کا جو انہوں نے دنیا میں ایک دوسرے پر کیے ہوں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ دگنا ہوں (سے) پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنبت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی پس مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ تم میں سے ہر شخص اپنے جنت والے گھر کے راستے کو زیادہ جاننا ہوگا بہ نسبت دنیا والے گھر کے راستے کے۔

(بخاری)

حضرت معمر بن شعبہ نے منبر پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ اے میرے رب! سنٹیوں میں سے کون آدمی سب سے نیچے درجے کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب سے نیچے درجے والا ایک (ایسا) شخص ہوگا جو جنٹیوں کے جنبت میں داخل ہونے کے بعد آئے گا۔ اس سے کہا جائے گا کہ (جنبت میں) داخل ہو جا۔ وہ کہے گا کہ میں کیسے داخل ہوں۔ لوگ اپنی اپنی جگہ لے چکے ہیں اور جو باقی رہا ہے اسے حاصل کر چکے ہیں۔ اُسے کہا جائے گا کہ کیا تو اس سے راضی ہے کہ تیرے لیے اتنا ہوشیار دنیا کے بدناموں میں سے ایک بدنام بن جائے؟

وہ عرض کرے گا کہ ہاں میرے پروردگار میں راضی ہوں۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ اچھا تیرے لیے اتنا ہی ہے اور اس کے برابر اور اس کے برابر اور اس کے برابر (یعنی اس سے تین گنا اور زیادہ) وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار میں راضی ہوں۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا تیرے لیے یہ سب ہے اور اس کا دس گنا ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا تیرے لیے اس سب کے علاوہ وہ بھی ہے جس کے لیے تیرا دل چاہے اور جس سے تیری آنکھوں کو لذت ملے۔

(ترمذی)

حضرت ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کا جنت میں ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہوگا کہ اس سے کہا جائے گا کہ تمنا کر لیں وہ تمنا کرے گا اور تمنا کرے گا (یعنی اپنی ہر تمنا بیان کر دے گا) پھر اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو تمنا کر چکا۔ وہ کہے گا کہ جی ہاں (میں نے اپنی سب تمنائیں بیان کر دی ہیں) پھر اس سے کہا جائے گا کہ جو (جو) تمنائیں تو نے کی ہیں وہ (سب) تمہیں دی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ اتنا ہی ازر دیا جاتا ہے۔

(مسلم)

عبدالرحمن بن کعب بن مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت کعبؓ کی وفات ہوئی تو بواہر بن معرور کی بیٹی ام بشران کے پاس آئیں اور انہیں کہنے لگیں کہ اے ابو عبدالرحمن اگر آپ روفا کے بعد فلاں شخص سے ملیں تو اسے میری طرف سے سلام کہہ دیں۔ انہوں نے کہا کہ اے ام بشران آپ کی مغفرت فرماتے ہم اتنے مشغول ہوں گے



کہ اس کام کی فریست نہیں ہوگی۔ امّ بَشْر نے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن کیا آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا کہ مومنوں کی رُو حیں ہنر پرندوں کی شکل میں جنت کے درخت سے ٹنکتی ہوں گی (یعنی جنت کے میوے کھاتی ہوں گی) انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں (سنا تھا) امّ بَشْر نے کہا کہ بس یہی مطلب ہے (یعنی جب وہ بھی اور آپ بھی دونوں پرندوں کی شکل میں جنت میں ہوں گے تو پھر سلام پہنچانا کیا مشکل ہوگا) (ابن ماجہ)

## رُؤیت باری تعالیٰ

حضرت عد بن مساتم بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آخرت میں) تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا رت اس طرح گفتگو کرے گا کہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ کوئی پردہ جو اُسے چھپائے۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسول کیا ہم (آخرت میں) اپنے رت کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا دوپہر کے وقت جبکہ آسمان پر بادل بھی نہ ہو تم لوگوں کو سورج کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ جڑنے (یعنی ہجوم و اثر و باہم کرنے) کی ضرورت ہوتی ہے ہم نے عرض کیا کہ نہیں اثر و باہم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر اطمینان سے سورج کو دیکھ سکتا ہے، حضور نے فرمایا کہ کیا چاند کی چودہویں رات کو جب کہ آسمان پر بادل بھی نہ ہو تمہیں چاند کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے کو سزا پہنچانے (یعنی ایک دوسرے کے ساتھ دھکم دھکا کرنے) کی ضرورت ہوتی ہے؟ صحابہ نے فرمایا کہ نہیں (چاند بھی ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ کھڑے ہی نظر

آجاتا ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے ضرورت ہے، حضور نے فرمایا کہ جس طرح تمہیں ان دونوں کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے کو ضرور پہچاننے کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح تمہیں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے بھی ایک دوسرے کو ضرور پہچاننے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(ابن ماجہ)

اگر کوئی چیز کسی خاص جگہ ہی سے نظر آتی ہو اور بہت سے لوگوں نے اسے دیکھا ہو تو اس جگہ بیٹھا ہو جائے گی۔ بہت سے لوگوں کے ایک جگہ جمع ہو جانے کے باعث لوگ ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھنے دیں گے اور ایک دوسرے سے تھکڑا کریں گے اور اس سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جائیں گے کیونکہ ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ میں ضرور دیکھ لوں۔ لیکن اگر وہ مکھی جانے والی شے ایسی ہو کہ ہر جگہ سے نظر آسکتی ہو تو پھر دیکھنے والوں کو کسی ایک جگہ ہجوم کرنے اور ایک دوسرے سے تھکڑا کرنے اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہر شخص جہاں کھڑا ہو گا وہیں سے اُسے دیکھ لے گا جیسے چاند یا سورج کو دیکھنے کے لیے باہم کش مکش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو ہر ایک کو ہر جگہ سے نظر آجاتے ہیں۔ اس پریشانی میں حضور نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس کا یہی مطلب ہے کہ ہر انسان بغیر کسی تکلیف کے اور بغیر کسی دوسرے کے ساتھ کسی قسم کی کش مکش کیے آرام سے اور بڑی وضاحت سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لے گا۔

حضرت صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

لَسَدِ بِنَ أَحْسَنُوا الْحَسَنَىٰ وَزِيَادًا ۝

”جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید فضل“  
 اور فرمایا کہ جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں  
 گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے جنت والو اللہ کے پاس تمہارے لیے ایک  
 وعدہ ہے جسے وہ تمہارے لیے پورا کرنا چاہتا ہے اس پر جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے  
 اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی ہم پر بے پناہ انعامات فرمائے ہیں (کیا اس نے ہمارے  
 نیک اعمال کو بھاری نہیں کر دیا اور ہمارے مومنوں کو سفید نہیں کر دیا) جو عزت و بخشش  
 کی علامت ہے) اور ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا اور ہمیں دوزخ سے نجات نہیں  
 دے دی (اب کیا انعام باقی رہ گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہمیں سرفراز فرمانا چاہتے  
 ہیں) پھر (کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور اہل جنت کے درمیان کا) حجاب اٹھایا جائے گا  
 اور اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے لگیں گے۔ پس خدا کی قسم کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ  
 بھی نعمتیں انہیں عطا کر رکھی ہوں گی ان میں کوئی بھی ان کے نزدیک اللہ کا دیدار  
 کرنے سے زیادہ محبوب اور آنکھ کی ٹھنڈک پہنچانے والی نہ ہوگی یعنی یہ دیدار انہیں  
 سب نعمتوں سے زیادہ محبوب ہوگا)

(ابن ماجہ)

حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابو ہریرہ سے ملے تو  
 حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تجھے جنت کے  
 بازار میں جمع کرنے۔ حضرت سعید نے پوچھا کہ کیا جنت میں بازار ہوگا حضرت ابو ہریرہ  
 نے فرمایا کہ ہاں۔ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ جب اہل جنت  
 جنت میں داخل ہوں گے تو وہاں اپنے اپنے اعمال کے درجے کے لحاظ سے اتریں  
 گے (یعنی جس نے جتنے زیادہ اچھے اعمال کیے ہوں گے اتنے ہی بڑے درجے پر وہ  
 فائز ہوگا) دنیا کے دنوں میں جمعہ کے دن کی جتنی مقدار تھی (یاد دنیا کے دنوں میں

ایک ہفتے کی جتنی مقدار بنتی (اس کے مطابق انہیں) شرف ملاقات کی (اجازت بخشی جائے گی۔

پس وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے اور وہ ان کے لیے اپنے تخت کو ظاہر کر دے گا اور بہشت کے چمنوں میں سے ایک چمن میں ان کے لیے نمودار ہو گا یعنی انہیں اپنا جمال مبارک دکھائے گا۔ پھر اہل بہشت کے (بیٹھنے کے) لیے (منبر) رکھے جائیں گے۔ نور کے منبر اور موتی کے منبر اور یاقوت کے منبر اور زبرجد کے منبر اور سونے کے منبر اور چاندی کے منبر (یہ سب کرسیاں ہوں گی جن پر اعلیٰ درجے کے جنتی بیٹھیں گے) اور اہل جنت میں سے جو کم درجے والے ہوں گے حالانکہ ان میں کوئی گھٹیا نہ ہو گا۔ (غرضکہ ان میں جو کم درجے والے ہوں گے) وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر (بیٹھے) ہوں گے۔ وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی بیٹھنے کی جگہ ان کی جگہوں سے افضل ہے (بلکہ ہر جنتی اپنی ہی جگہ کو بہترین سمجھے گا) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں (دیکھو گے) کیا تم سورج کو دیکھنے میں باہم جھگڑا کرتے ہو، اور چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں باہم جھگڑا کرتے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ نہیں حضورؐ نے فرمایا کہ ایسے ہی تم اپنے پروردگار عزوجل کو دیکھنے میں بھی باہم جھگڑا نہیں کرو گے۔ اور اس مجلس میں کوئی ایسا باقی نہ رہے گا جس سے اللہ تعالیٰ نے مخاطب ہو کر بات نہ کی ہوگی۔ یہاں تک کہ تم میں سے ایک شخص سے فرمائے گا کہ اے فلاں کیا تجھے وہ دن یاد نہیں جب تو نے ایسے اور ایسے کیا تھا۔ اور اسے اس کی بعض دغا باز یاد دلائے گا جو اس نے دنیا میں کی ہوں گی۔ وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں نہیں (میں نے تجھے بخشا) اور میری بخشش کے وسیع ہونے کی باعث تو تو اپنے اس مرتبے تک پہنچا

ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس دربار سے (وہ سب درباری) اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک ابران کے اوپر سے آکر انہیں ڈھانپ لے گا اور ان پر ایسی خوشبو برسائے گا کہ انہوں نے اسکی مہک حبسی کوئی چیز کبھی بھی نہ پائی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (اب) کھڑے ہو جاؤ (اور چلو) اس انعام و اکرام کی طرف جو میں نے تمہارے لئے تیار کر رکھا ہے، اور جو پسند ہو لے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر ہم بازار میں آئیں گے جسے فرشتوں نے گھیر رکھا ہو گا اور اس میں وہ کچھ ہو گا کہ نہ آنکھوں نے اس کی مانند دیکھا نہ کانوں نے سنا نہ دلوں میں اس کا خیال گزارا۔ پھر جس جس شے کو ہم پسند کریں گے وہ ہمارے لئے بار کر دی جائے گی، نہ وہاں کوئی چیز بکے گی اور نہ خریدی جائے گی اور اس بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے۔ پھر سامنے سے ایک بلند مرتبے والا شخص آئے گا اور اس سے وہ شخص ملے گا جس کا مرتبہ اس سے کم ہو گا، حالانکہ ان میں کوئی بھی گھٹیا نہ ہو گا۔ پھر وہ کم مرتبے والا بلند مرتبے والے کا (شاندار) لباس دیکھے گا تو ڈر جائے گا لیکن ابھی اس کی اس سے گفتگو کا آخری حصہ ختم نہیں ہوا ہو گا کہ اس کم مرتبے والے کے جسم پر بھی بلند مرتبے والے سے بہتر لباس بن جائے گا اور ایسا اس لیے ہو گا کہ (وہ دوسرے کے لباس کو اپنے لباس سے بہتر دیکھ کر غم زدہ نہ ہو، کیونکہ اہل جنت میں سے) کس کے شایاں نہیں کہ وہ جنت کے اندر غم زدہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر ہم اپنے گھروں کی طرف لوٹیں گے تو ہماری بیویاں ہم سے ملیں گی اور کہیں گی کہ خوش آمدید، تم اس حالت میں آئے ہو کہ تمہارا حسن و جمال اور خوشبو اس وقت سے کہیں زیادہ ہے۔ تم ہمیں چوڑھ کر گئے تھے ہم جواب دیں گے کہ (بات یہ ہے کہ) آج ہم اپنے صاحبِ جبروت پر درکار کے پاس

بیٹھے تھے لہذا ہمیں اسی حالت میں لوٹنا سزاوار تھا جس میں ہم لوٹے ہیں (یعنی حسن و  
جمال اور خوشبو میں آگے سے زیادہ ہو کر)

(ابن ماجہ)

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہشت میں  
اجاب سے ملاقاتیں ہوں گی اور والدین اور صالحین کی زیارتیں ہوں گی اس وقت سے  
مجھے جنت کی آرزو زیادہ ہو گئی ہے۔

# دو دن

انسانوں کے اعمال درست رکھنے کے لیے جزا کے ساتھ سزا بھی لازمی ہے۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مختلف انسان مختلف طبیعتوں کے مالک ہوتے ہیں، بعض کو جزا کی امید اور شوق زیادہ جلدی سدھا دیتا ہے، بہ نسبت سزا کے خوف کے۔ اور بعض کو سزا کا خوف جلدی راہ راست پر لاتا ہے بہ نسبت جزا کی امید کے۔ تاہم انسانی معاشرے کو بہ حیثیت مجموعی درست رکھنے کے لیے دونوں چیزیں انتہائی ضروری ہیں۔ ایک تبلیغ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ انسانوں کو نیکی کے خوشگوار انجام کی تفصیلات بتا کر ان کے دلوں میں اخروی کاریابی حاصل کرنے کا اشتیاق پیدا کرنے کی کوشش کرے، لیکن وہ اپنے فرائض کو کیا حقہ ادا کرنے سے قاصر رہے گا اگر اس نے انہیں بد عملی اور نافرمانی کی اذیت دہ سزا سے بھی واقف نہ کرایا، افراد اور گروہ دونوں کو درست رکھنے کے لیے قانون کی طاقت اور سزاؤں کا نظام لازمی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ دونوں میں اس کا پورا پورا التزام کیا گیا ہے کہ جہاں انسان کو نیکی اعمال کا خوشگوار انجام بتایا جائے وہاں انہیں بڑے اعمال کی ہولناک سزاؤں سے بھی ڈرایا جاتا رہے تاکہ ان کے دلوں میں وہ ایمان جاگزیں رہے جس کے

متعلق دنیا کیا ہے کہ:

”ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے۔“

کتاب اللہ اور احادیث مقدسہ میں دوزخ کی سزاؤں کی جو تفصیلات دی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ ایک انتہائی ہولناک جگہ ہوگی۔ اس کی ہولناکیوں کی اس طرح عکاسی کی گئی ہے کہ دل سینوں کے اندر دہل جاتے ہیں۔ ان تفصیلات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دوزخ میں صرف جسمانی عذاب ہی نہیں ہوگا بلکہ ذلت اور رسوائی کی تکلیف اور ندامت و شرمندگی کی اذیت بھی ہوگی۔ انسان جب یہ بُرا انجام دیکھ لے گا تو تڑپ تڑپ اٹھے گا کہ اے کاش ہمیں پھر دنیا میں جانے کا موقع ملے تو اب ہم بڑے ہی نیک بن کر زندگی گزاریں۔ مگر یہ خواہش بس ایک لغو خواہش ہوگی جس کے پورا ہونے کا قطعی کوئی امکان نہیں ہوگا۔ پھر انتہائی اذیت دہ صورت حالات میں ایک مزید اذیت کی بات یہ ہوگی کہ اس عذاب میں کوئی کسی کی امداد کو نہیں آئے گا اور کوئی کسی کے دکھ کو دور نہیں کر سکے گا۔ جن مالوں اور اولادوں کی محبت میں اندھے ہو کر کسی انسان نے یہ عذاب سمیٹے ہوں گے وہ اس دن ذرہ بھر بھی کام نہیں آسکیں گے محض اپنی تہنا جان ہوگی جو اپنی بدکرداریوں کے انجام تلے لپی چلی جا رہی ہوگی۔

قرآن پاک سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اہل دوزخ نے دنیا میں جن گمراہ کرنے والے رہنماؤں کے پیچھے چل کر گمراہیاں اختیار کی ہوں گی اس دن وہ انہیں اس قدر بُرے لگیں گے کہ وہ خدا سے دعا مانگیں گے کہ خدایا انہیں دُگنا عذاب دے کہ یہ خود بھی گمراہ تھے اور انہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ ان گمراہ رہنماؤں اور ان کے پیروی کرنے والوں کے درمیان احترام اور محبت کے تمام تعلقات ٹوٹ چکے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے سے بیزار ہو رہے



ہوں گے۔

المختصر دوزخ ایک ایسی جگہ ہوگی جہاں ہر قسم کی اذیت کے سامان ہوں گے  
 جسمانی اذیت کے بھی، ذہنی اذیت کے بھی اور روحانی اذیت کے بھی۔ ذیل کی آیات  
 احادیث و نسخ کر دیتی ہیں کہ وہ کس قسم کی ہولناک اور تکلیف دہ جگہ ہوگی۔  
 ”جب وہ (دوزخ) ان (دوزخیوں) کو دُور کے فاصلے سے دیکھے  
 گی، تو وہ اس کا چیخنا اور چنگھاڑنا سنیں گے“

(الفرقان ۱۲)

”جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ اس کا دباڑنا سنیں گے اور  
 وہ جوش کھا رہی ہوگی۔ قریب ہے کہ غصے سے پھٹ جائے۔ جب  
 اس میں کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو اس کے محافظ ان سے  
 پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ  
 کہیں گے کہ کیوں نہیں، ضرور ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، لیکن  
 ہم نے اُسے جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم خود ہی  
 ایک بڑے خبط میں پڑے ہو اور پھر وہ اہل دوزخ شدت  
 ندامت سے کہیں گے کہ ہم اگر اس ڈرانے والے کی بات  
 سن لیتے یا عقل ہی سے کام لیتے تو (آج) ہم اہل دوزخ میں سے نہ  
 ہوتے۔ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے۔ سو لعنت ہے اہل دوزخ  
 پر“

(الملک از ۱ تا ۱۱)

”تو اس آگ سے ڈرو جس کا اندھن آدمی اور پتھر ہیں“

(البقرہ ۲۴)

”اس (دوزخ) کے سات دروازے ہیں۔ ہر ایک دروازے

کے لیے اُن میں سے بانٹا ہوا ایک حصہ ہے۔“

(الحجر ۴۴)

”اور جب کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائیگا کہ تم اپنی دنیا کی زندگی میں مزے اڑا چکے اور اُن سے فائدہ اٹھا چکے تو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم ناحق زمین میں اکڑا کرتے تھے اور اس کا بدلہ ہے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔“

(الاحقاف ۲۰)

”آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس لیے کہ تم خدا پر تہمت رکھ کر ناحق بکا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے اکڑا کرتے تھے۔“

(الانعام ۹۳)

”اور جس نے ہماری یاد سے روگردانی کی تو اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا، اور میں تو دیکھتا تھا۔ خدا فرمائے گا۔ الیسا ہی (ہے) ہماری آیات تیرے پاس آئیں مگر تو نے انہیں بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے۔ جو شخص حد سے بڑھ چلا، اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لایا، ہم اس کو الیسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب بہت ہی سخت اور دیرپا ہے۔“

(طہ از ۲۴ تا ۱۲۷)

”اور جب وہ (دوزخی) زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس کے کسی تنگ گوشے میں ڈالے جائیں گے تو اس موقع پر وہ موت

ہانگیں گے۔“ (الفرقان ۱۳)

”اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو دل ہی دل میں نادیم ہوں گے اور جو لوگ کافر ہیں ان کی گردنوں میں ہم طوق ڈالیں گے۔“

(سبار ۳۳)

”اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا۔ سو وہ ان کی آنتیں کاٹ ڈالے گا۔“

(محمد ۱۵)

”اہلِ دوزخ (نو اور گرم پانی میں ہوں گے۔“

(الواقعة ۲۲)

”جب کبھی بھی وہ غم کی وجہ سے اس (دوزخ) سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اسی میں پھر لوٹا دیئے جائیں گے، اور (ان سے کہا جائے گا کہ تم) جلنے کا عذاب چکھو۔“

(الحج ۲۲)

”اور جو دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ایک دن ہم سے عذاب ہلکا کر دے۔ وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی دلیلیں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ (جواب میں) کہیں گے کہ کیوں نہیں (بیشک آئے تھے) وہ (داروغے) کہیں گے کہ پھر تم خود ہی دعا کر لو، اور کافروں کی دعا تو بے کار ہی ہے۔“

(المومن ۴۹-۵۰)

”اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کہ اے کاش! مجھ کو میرا نامہ اعمال نہ ملا ہوتا، اور مجھ کو اپنے حساب

کی خبر ہی نہ ہوئی ہوتی کہ کیا ہے۔ اے کاش! مرنے سے میرا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ میرا مال میرے کام نہ آیا۔ مجھ سے میری بادشاہت لٹ گئی۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا کہ اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو۔ پھر اس کو جہنم میں دھکیل دو۔ پھر زنجیر سے جس کی ناپ گزروں میں ستر گز ہے۔ اس کو خوب جکڑ دو یہ خدا نے بزرگ پر ایمان نہیں لاتا تھا اور مسکینوں کے کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا، تو آج یہاں کوئی بھی اس کا دوست دار نہیں۔“

(الحاقہ از ۲۵ تا ۳۵)

”آگ ان کے منہ جھلس دے گی اور ان کے جہڑے باہر نکل آئیں گے ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ نہیں تھا کہ میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر بیماری بد نصیبی غالب آگئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس سے نکال۔ اگر ہم پھر (بڑے کام) کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔ خدا فرمائے گا کہ اسی میں خوار پڑے رہو۔ اور مجھ سے بات نہ کرو۔ میرے بندوں میں سے ایک ذریعہ جو کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے پس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے تو تم نے ان (نیک لوگوں) کا ٹھٹھا بنالیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد دہانی جھلا دی اور تم ان پر مہنسا کرتے تھے۔“

(المومنون از ۱۰۴ تا ۱۱۰)

”اور وہ اس میں چلتا نہیں گئے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں نکال تاکہ

ہم ان عملوں کے خلاف جو ہم کیا کرتے تھے، نیک عمل کریں (تو انہیں کہا جائے گا کہ) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا، تو اب تم مزا سمجھو۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔“

(فاطر ۳۷)

”جو لوگ منکر ہیں اللہ کے ہاں نہ تو ان کے مال ہی ان کے کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولاد ہی اور یہی ہیں دوزخ کا ایندھن۔“

(دال عمران ۱۰)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی دوزخ کے بارے میں بہت کچھ معلومات ہم پہنچاتی ہیں :

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دوزخ کی) آگ کو ہزار سال تک بڑھکایا گیا یہاں تک کہ وہ بھرخ ہو گئی۔ پھر اُسے ہزار سال تک بڑھکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی۔ پھر اُسے ہزار سال تک بڑھکایا گیا یہاں تک کہ وہ کالی ہو گئی۔ پس (اب) وہ کالی سیاہ ہے۔

(ترمذی)

کلام پاک میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اہل دوزخ کا کھانا تھوپر ہوگا۔ تھوپر کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ یہ ایک سخت کڑوا اور بدبودار پھل ہوگا اور اس کو کھانا بہت مشکل ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی :

إِنَّفُوا حَتَّى تَقْتَبُوهُ، وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ

## مُسْلِمُونَ

(آل عمران ۱۰۲)

”اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو۔“

(نیز) حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تھوپر کا ایک قطرہ بھی دنیا میں ٹپک پڑے تو (اپنی کڑواہٹ اور عفویت وغیرہ کے باعث تمام) اہل دنیا کی معاش کو برباد کر دے، پس کیا حال ہوگا ان کا جن کا کھانا ہی یہ (تھوپر) ہوگا۔

(ترمذی)

حضرت عبداللہ (بن مسعود) بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) دوزخ کو لایا جائے گا، اس دن اس کی ستر سزار لگائیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر سزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔

(مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری (یہ دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے نہ من کیا گیا کہ یا رسول اللہ یہ (دنیا کی آگ) ہی (جلانے اور عذاب دینے کے لیے) کافی تھی حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اس پر انہتر حصے زیادہ کر دی گئی ہے۔ ہر حصے میں دنیا کی آگ جتنی گرمی ہے۔

(بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک آپؐ نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ (آواز) کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ خدا اور

اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر ہے جسے شتر بے س پہلے دوزخ میں پھینکا گیا تھا اور وہ اب تک برابر دوزخ میں گر رہا تھا یہاں تک کہ (اب) اس کی تہ میں جا پہنچا ہے۔

(مسلم)

اس حدیث میں حضور نے دوزخ کی گہرائی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دوزخ اتنی گہری ہے کہ ایک پتھر اس میں پھینکا گیا تو اسے تہ تک پہنچنے میں شتر بے س لگ گئے۔

سورۃ الحج آیت ۱۹ اور ۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے کہ اُن کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں ان کے سروں پر کھولتا سوا پانی ڈالا جائے گا۔

يُصْهِرُ فِيهِمْ كَاغٍ لَّهُمْ فِيهَا يَكْتُمُونَ

”جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پٹ کے اندر کے حصّے تک گل جائیں گے۔“

حضرت ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرم پانی دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا تو وہ سرایت کرتا سوا ان کے پیٹوں تک جا پہنچے گا اور جو کچھ پٹ میں ہوگا (یعنی انتڑیاں وغیرہ) اُسے کاٹ دے گا یہاں تک کہ پھر دوزخیوں کے قدموں کے راستے باہر نکل آئے گا۔ اور یہی (وہ) ”گل جانا“ ہے (جس کا سورۃ الحج آیت ۲۰ میں ذکر ہوا ہے) پھر ان کی انتڑیاں وغیرہ دوبارہ ویسی ہی (ٹھیک) ہو جائیں گی جیسے پہلے تھیں (اور پھر انہیں گرم پانی کاٹ کر قدموں کے راستے باہر نکل جائے گا اور بار بار ایسے ہی ہوتا رہے گا)

(ترمذی)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۰ کے ان الفاظ کو پڑھا وَهُمْ فِيهَا كَالْحِوَانِ

رحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں کافروں کے دانت ظاہر ہو جائیں گے پھر آپ نے کلام پاک کے ان الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آگ کافر کو ٹھون دے گی جس سے اس کا اُوپر والا ہونٹ سکرط جائے گا یہاں تک کہ اس کے سر کے وسط تک جا پہنچے گا اور اس کے نیچے کا ہونٹ ٹک جائے گا یہاں تک کہ اس کی ناف تک جا پہنچے گا (ابن دانت ظاہر ہو جائیں گے)

(ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کا جسم دوزخ میں بہت بڑھ جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی جلد کی موٹائی بیالیس ہاتھ ہوگی اور اس کی ڈاڑھ اُحد (پہاڑ) کے برابر ہوگی اور دوزخ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ اتنی ہوگی جتنی مکہ سے مدینے تک کی مسافت۔

(ترمذی)

حضرت سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لوگوں میں بعض ایسے ہیں جنہیں آگ ان کے ٹخنوں تک پکڑے گی اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہیں آگ ان کی کمر تک پکڑے گی اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہیں آگ ان کی گردن تک پکڑے گی۔ (مسلم)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں سے سب سے ہلکے عذاب والا شخص وہ ہوگا جسے آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی۔ (ان جوتیوں کی حرارت سے اس کا دماغ کھلتا رہے گا۔)

(مسلم)

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل دوزخ میں سے سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کے جوتے اور تسمے آگ کے ہوں گے، ان کے باعث اس کا دماغ ایسے کھول رہا ہوگا



جیسے منڈیا جوش مارتی ہے۔ وہ سمجھے گا کہ اور کسی کو اس سے زیادہ شدید عذاب نہیں دیا جا رہا حالانکہ وہ اہل دوزخ میں سے سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔  
(مسلم)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ بتا کہ اگر تیرے پاس زمین بھر سونا ہوتا تو کیا تو اسے اس (عذاب) سے بچنے کے لیے بطور فدیہ دے دیتا۔ وہ کہے گا کہ ہاں (دے دیتا) اس پر اسے کہا جائے گا کہ تجھ سے ایک ایسی بات کا مطالبہ کیا گیا تھا جو اس سے زیادہ آسان تھی (یعنی یہ کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ اور شرک سے بچو)

(بخاری)

حضرت سمرۃ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (صبح کی) نماز ادا فرمالتے تو ہماری طرف رخ کر لیتے اور فرماتے کہ تم میں سے کس نے رات کو کوئی خواب دیکھا ہے، پھر اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا، پھر آپ جو خدا کو منظور ہوتا فرماتے۔ ایک دن آپ نے ہم سے (یہی) سوال کیا اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ جی نہیں آپ نے فرمایا لیکن میں نے آج رات دو آدمیوں کو (خواب میں) دیکھا۔ وہ میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑا۔ پھر مجھے (گھر سے) نکال کر ارض مقدس کی طرف لے گئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور ایک (پاس) کھڑا ہے۔ ہمارے بعض اصحاب نے (اس حدیث کے ایک راوی) موسیٰ سے (اس طرح) روایت کیا ہے کہ اس کھڑے انسان کے ہاتھ میں لوہے کا ایک آنکڑا ہے۔ وہ اس آنکڑے کو اس (بیٹھے ہوئے شخص) کے منہ کی ایک باجھ میں داخل کرتا ہے، یہاں تک کہ

یہ آنکڑا اس کی باجھ کو چیرتا ہوا ( اس کی گردن کے پھلے حقے تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ اس کی دوسری باجھ کے ساتھ بھی ایسے ہی کرتا ہے اور اس دوران میں اس کی پہلی باجھ جڑ جاتی ہے۔ پھر وہ شخص واپس آتا ہے اور اس کی پہلی باجھ کے ساتھ از سر نو) ویسے ہی کرتا ہے (اور اسی طرح وہ کبھی اس کی ایک باجھ کو اور کبھی دوسری کو چیر کر اُسے عذاب دے رہا ہے) میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو (میرے) ان دونوں (ساتھیوں) نے کہا کہ (آگے) چلیے پس ہم چل پڑے یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس پہنچے جو چیت لیا ہوا تھا اور (دوسرا) شخص ایک پتھر لیے اس کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ اس (پتھر) سے اس (لیٹے ہوئے شخص) کو مارتا تھا۔ جب وہ اُسے پتھر مارتا تو پتھر ٹھک جاتا اور وہ شخص اس کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے جاتا اور ابھی وہ اس (لیٹے ہوئے شخص) کی طرف واپس نہ آیا ہوتا کہ اس کا سر جڑ کر ویسے ہی ہو جاتا جیسے پہلے تھا۔ پھر وہ (پتھر مارنے والا) اس کی طرف واپس آتا اور (پتھر) اُسے (پتھر) مارتا۔ میں نے کہا کہ یہ کون ہے تو (میرے) ان دونوں (ساتھیوں) نے کہا کہ (آگے) چلیے۔ پس ہم چل پڑے (اور) ایک سوراخ کے پاس پہنچے جو تنور کی مانند تھا۔ اس کا اوپر کا حصہ تنگ تھا اور نیچے کا وسیع تھا۔ اس کے نیچے آگ روشن تھی۔ جب آگ کی لپٹ اُپر آتی تو وہ لوگ (جو اس کے اندر تھے) اُپر آ جاتے یہاں تک کہ باہر نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب آگ دھیمی ہو جاتی تو وہ اس میں واپس چلے جاتے۔ اور اس میں مرد اور عورتیں تھیں جنہوں نے لباس نہیں پہنا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو وہ دونوں کہنے لگے کہ (آگے) چلیے۔ چنانچہ ہم چل پڑے یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے۔ اس میں ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کے وسط میں (یا جیسے کہ اس حدیث کے ذرا ذراویوں) یزید بن ہارون

اور دھب بن جریر نے کہا ہے کہ نہر کے کنارے پر ایک (اور) شخص تھا جس کے سامنے پتھر رکھے تھے جو شخص نہر میں تھا وہ آگے بڑھتا اور جب وہ (نہر سے) نکلنے کا ارادہ کرتا تو وہ شخص (جس کے سامنے پتھر تھے) اس کے منہ میں ایک پتھر مارتا اور جہاں سے وہ آیا ہوتا اسے وہیں لوٹا دیتا۔ پس جب بھی وہ آتا تاکہ (نہر سے) نکل جائے (دوسرا) شخص اس کے منہ میں پتھر مارتا اور وہ جہاں سے آیا ہوتا وہیں لوٹ جاتا (حضور فرماتے ہیں کہ) میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو ان دونوں نے کہا کہ آگے چلئے، پس ہم چل پڑے یہاں تک کہ ہم ایک ہرے بھرے سرسبز زمین میں پہنچے جس میں ایک بہت ہی بڑا درخت (کھڑا) تھا اس کی جڑ میں ایک بوڑھا شخص اور کچھ بچے تھے۔ دیکھا تو درخت کے قریب ہی ایک (اور) شخص تھا جس کے آگے آگ تھی جسے وہ جلا رہا تھا۔ پھر وہ دونوں مجھے اس درخت میں چڑھالے گئے اور مجھے ایک ایسے گھر میں داخل کر دیا کہ اس سے زیادہ خوبصورت اور اعلیٰ پائے کا گھر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس میں بوڑھے مرد (بھی) تھے اور جوان (بھی) اور عورتیں (بھی) اور بچے (بھی)۔ پھر وہ دونوں مجھے وہاں سے لے کر نکلے اور مجھے درخت پر چڑھالے گئے اور مجھے ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو (پہلے گھر سے بھی) زیادہ خوبصورت اور اعلیٰ پائے کا تھا۔ اس میں بوڑھے اور جوان تھے۔ (پھر) میں نے (ان دونوں سے) کہا کہ تم نے ساری رات مجھے گھمایا ہے، پس جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کے متعلق مجھے بتاؤ (کہ یہ سب کچھ کیا ہے) انہوں نے کہا کہ اچھا (بتاتے ہیں) وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کی باجھ چیری جا رہی تھی وہ بہت جھوٹا تھا۔ وہ جھوٹ بولتا تھا پھر لوگ اس سے وہ جھوٹ سن کر آگے پھیلاتے تھے یہاں تک کہ وہ ساری دنیا میں پھیل جاتا تھا، پس قیامت کے دن تک اس کے ساتھ ایسے ہی ہوتا رہے گا کہ اس کی باجھیں بار بار چیری جائیں گی اور بار بار وہ جڑ جائیں



ایک بار آپ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی رہا پس پڑوس  
کے لوگ دوڑ پڑے بڑا شور و غل ہوا۔ لوگوں نے آپ سے کہا: اے زائرِ رسول  
لے بیٹے آگ لگ گئی، لیکن آپ اطمینان سے سجدے میں پڑے رہے آگ  
بجھا دی گئی۔

جب آپ نماز سے فارغ ہوئے لوگوں نے کہا کہ حضرت ہم نے آپ کو  
آوازیں دیں۔ مگر آپ نے توجہ نہیں فرمائی۔ آخر آپ کو کس چیز نے اس آگ سے اس قدر  
بے پروا کر دیا۔

آپ نے فرمایا: "آتشِ جہنم نے۔"

# بہشت کے مستحق — کون ہیں؟

کلام پاک میں کئی آیات ایسی آئی ہیں جن میں ان صفات کو گنا یا گیا ہے جو انسان اپنے اندر پیدا کر کے جنت کا مستحق ہو سکتا ہے، ارشاد فرمایا ہے:

”اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔“

(البقرہ ۲۵)

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں انہیں ملے گا اور ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

(البقرہ ۲۷۷)

”سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دل جاتے ہیں اور جب آیات الہی انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ (بہر حال میں) اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“

(الانفال ۲)

”اور جو لوگ اپنے رب کی رضا مندی کے جو یاں رہ کر صبر کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور بد سلوکی کو حسن سلوک سے طال دیتے ہیں“

(الرعد ۲۲)

”بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے ایک طرف رہنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ کے طریقے پر عمل کرنے والے ہیں اور جو اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والے ہیں“

(المومنون از ۲ تا ۵)

”اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں“

(المومنون ۸)

” (اور مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے نرا ہوگی کہ) اے میرے بندو، تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔ (یہ وہ بندے ہوں گے) جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور (ہمارے) فرمانبردار تھے“

(الزخرف ۶۸-۶۹)

”بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے سو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے“

(الاحقاف ۱۳)

”وہی تو ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں سکینت پیدا کی تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔“ (الفتح ۴)

”جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک رُوح سطا کر کے انہیں قوت دی ہے اور وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا، اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ خوب سُن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔“

(المجادلہ ۲۲)

” (یہ وہ لوگ ہیں) جو فراغت اور تنگی (دونوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

(آل عمران ۱۳۴)

”اور جو (ایسے ہیں کہ) جب کوئی بے جا حرکت کر بیٹھے ہیں یا اپنے آپ پر کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے لگتے ہیں، اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشتا ہے، اور وہ اپنے کئے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور (بہشت کے) باغ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے لیے کیسا اچھا معاوضہ ہے۔“

(آل عمران ۱۳۵، ۱۳۶)



”جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے  
ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں“

(آل عمران ۱۹۱)

”لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرے، ان کے لیے باغات ہیں، جن کے  
نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مہمانی  
ہو گی اللہ کی طرف سے اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں وہ نیک  
بندوں کے لیے بدرجہا بہتر ہیں“

(آل عمران ۱۹۸)

”جن کی جانیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں“  
ذ النحل ۳۲

”اور جو سچی بات لے کر آیا اور اس کو سچ جانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں“  
(الزمر ۳۳)

”جو خدا سے بے دیکھے ڈرا، اور رجوع ہونے والا دل لے کر آیا“  
(رق ۳۳)

”وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار  
کیا کرتے تھے اور ان کے نالوں میں سوالی اور محروم کا حق تھا“  
(الذاریت ۱۹، آتا ۱۹)

”اور جو اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرا اور  
نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا تو بس (اس کا) بہشت ہی ٹھکانا ہے“  
(النزعت ۴۱، ۴۲)

”کیا تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

حالانکہ ابھی اللہ نے نہ ان کو جانا ہے جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور  
نہ مابروں کو جانا ہے۔“

(آل عمران ۱۴۲)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد  
کیا اور جنہوں نے مہاجرین کو جگہ دی اور مددی یہی پکے مسلمان ہیں،  
ان کے لیے معافی ہے اور عزت کی روزی“

(الانفال ۷۴)

”اور وہ مہاجرین اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان  
پر لبیک کہنے میں سبق کی اور وہ جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ  
ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اس سے راضی ہوئے۔“

(التوبہ ۱۰۰)

”اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے، ان کے عملوں کو خدا برگزراہنگاں  
نہیں ہونے دے گا، انہیں مقصود کو پہنچا دے گا اور ان کی حالت درست  
رکھے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ جس کی انہیں (خوب)  
پہچان کرادے گا۔“

(محمد ۴، ۵، ۶)

”تو کیا وہ شخص جو یہ یقین رکھتا ہے کہ بوجھ تیری طرف تیرے پروردگار  
کی جانب سے اتارا گیا ہے حق ہے، اس کے برابر ہو جائے گا جو  
دراہ راست سے) اندھا ہے۔ بات یہ ہے کہ نصیحت تو وہی پکڑتے  
ہیں جو عقلمند ہیں جو اللہ کے بند کو پورا کرتے ہیں، اور قول و قرار کو  
نہیں توڑتے، اور وہ جو اس رشتے کو ملائے رکھتے ہیں جس کے

ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور  
 بُرے حساب سے ڈرتے ہیں اور وہ جو اپنے پروردگار کی خوشنودی  
 چاہنے کے لیے صبر کرتے اور نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے انہیں دیا  
 ہے اس میں سے چھپا کر اور غلانیہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتے اور نیکی  
 کے ساتھ بدی کو دفع کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت  
 کا گھر ہے (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن میں وہ خود اور ان کے  
 باپوں اور بیویوں اور اولاد میں سے جو جو صالح ہوگا داخل ہوں گے  
 اور فرشتے ان پر سرد روازے سے داخل ہوں گے (اور کہیں گے کہ)  
 تم پر سلامتی ہے اس لیے کہ تم نے صبر کیا تھا۔ سو آخرت کا گھر کیا  
 ہی اچھا ہے۔“

(الرعد ۱۹ تا ۲۴)

”اور جو اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار، ہمیں  
 ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت  
 فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔“

(الفرقان ۷۴)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، ہم انہیں ضرور  
 جنت میں بلا خالوں میں جگہ دیں گے۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں  
 گی وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے۔ عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی اچھا  
 ہے۔ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“

(العنکبوت ۵۸، ۵۹)

”اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی۔“

(الاحقاف ۱۵)

”وہ نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی بُرائی پھیلی ہوئی ہوگی۔ وہ خدا کی محبت کے لیے محتاج اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تم کو محض اللہ کی رضا مندی کے لیے کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری۔ بیشیک تم تو اپنے پروردگار سے اس دن (کے عذاب) سے ڈرتے ہیں جو منہ بگاڑ دے گا، اور تیوری پر پل ڈال دے گا تو اللہ بھی ان کو اس دن کی بُرائی سے بچالے گا، اور ان پر تازگی اور خوشی ڈالے گا۔“

(الدھرازا، تا ۱۱)

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور خاکساری کرنے والے مرد اور خاکساری کرنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ نے گناہوں کی معافی تیار کر رکھی ہے اور بہت بڑا اجر۔“

(الاحزاب ۳۵)

”اور خدائے رحمن کے غامس بندے وہ ہیں جو زمین پر فرشتی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بابل ان کے منہ آتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ

سلام۔ اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور قیام کرتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے پروردگار عذاب دوزخ کو ہم سے دُور ہی رکھیو۔ اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے۔ وہ بُری جگہ ہے چاہے اس میں تھوڑا ٹھہرنا ہو یا ہمیشہ ٹھہرنا ہو۔ اور جو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور اور نہ بہت تنگی کرتے ہیں، بلکہ میانہ روی رکھتے ہیں اور جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو جسے خدا نے حرام کیا ہو اسے قتل نہیں کرتے سوائے حق کے اور جو، بدکاری نہیں کرتے۔“

(الفرقان از ۶۳ تا ۶۸)

”اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب بیہودہ کاموں کے پاس ہو کر گزرتے ہیں تو متانت سے گزر جاتے ہیں اور جو (ایسے ہیں کہ) جب ان کو ان کے پروردگار کی آیتیں سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے۔“

(الفرقان ۷۲، ۷۳)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے گا، اس کو اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔“

(النسار ۱۳)

”اور تو کیا سمجھا کہ گھائی کیا ہے۔ وہ ہے گردن کا چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم رشتہ دار یا مسکین ناک نشین کو کھانا کھلانا، اس کے علاوہ ان لوگوں میں ہونا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو زحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے۔“ (البلد از ۲ تا ۱۰)

”جس کے اعمال تول میں زیادہ وزنی ٹھہریں گے وہ خاطر خواہ عیش میں ہوگا“  
(القارنہ ۷۶، ۷۷)

”بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو مال ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے چھپا کر اور کھلے طور پر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں گھانا نہیں ہے“  
(فاطر ۲۹)

اللہ تعالیٰ کی ان پاک آیات کی بنا پر حنیت کے مستحق لوگوں کی صفات مندرجہ ذیل ہیں:

وہ ایمان لاتے ہیں۔

نیک اعمال کرتے ہیں۔

نماز پڑھتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو خوفِ خدا سے ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

جب وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

وہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر صبر سے کام لیتے ہیں۔

کوئی ان سے بدسلوکی کرے تو وہ جواب میں حسن سلوک کرتے ہیں۔

نماز پڑھتے ہیں تو خشوع و خضوع سے پڑھتے ہیں۔

وہ لغو باتوں سے ایک طرف رہتے ہیں۔

وہ اپنے آپ کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

وہ اپنے ناموس کی حفاظت کرتے ہیں اور پاک دامن رہتے ہیں۔

وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وہ عہد کو پورا کرتے ہیں۔

وہ اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

وہ خدا کے فرماں بردار رہتے ہیں۔

وہ خدا کی راہ میں خفیہ خفیہ بھی خیرات کرتے ہیں اور علانیہ بھی۔

وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ایک ہے، پھر اسی پر قائم رہتے ہیں۔

یہ وہ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہوا ہے۔

وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

وہ اللہ اور رسول کے مخالفین سے دوستی نہیں رکھتے چاہے وہ رشتہ دار

ہی کیوں نہ ہوں۔

چاہے فراغت کی حالت ہو یا تنگی کی، وہ ذونوں حالتوں میں خدا کی راہ میں

خرچ کرتے ہیں۔

وہ عفت پر قابو رکھتے ہیں۔

وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

وہ لوگوں کے ساتھ نیکی کا سلوک کرتے ہیں۔

اگر ان سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً خدا کو یاد کرنے لگتے اور گناہ کی

معافی مانگنے لگتے ہیں۔

وہ اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔

وہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔

وہ خدا سے ڈرتے ہیں۔

جس وقت فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں وہ پاک ہوتے ہیں۔  
وہ سچی بات کو سچ جانتے ہیں۔

ان کا دل خدا کی طرف رجوع کرنے والا دل ہوتا ہے۔

وہ راتوں کو کم سوتے اور رات کے آخری حصے میں گناہوں کی معافی مانگتے

ہیں۔

وہ مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں، دونوں قسم کے ضرورت مندوں کی

مالی امداد کرتے ہیں۔

وہ قیامت کے دن پر دردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں۔

وہ اپنے نفس کو بڑی خواہشات سے روکتے ہیں۔

وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

وہ ہجرت کرتے ہیں اور مہاجرین کی مدد کرتے ہیں۔

وہ ضرورت کے وقت اللہ کی راہ میں جان بھی دے دیتے ہیں۔

وہ اللہ کی بیعتی ہوئی تعلیم کو سچا سمجھتے ہیں۔

وہ رشتے داروں سے تعلقات قائم رکھتے ہیں۔

وہ بڑے حساب سے ڈرتے ہیں۔

وہ اکثر بازا اور مغرور نہیں، بلکہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

وہ اللہ سے اچھی دعائیں مانگتے ہیں۔

وہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔

اگر انہوں نے کوئی نذرمانی ہوئی ہو، تو اسے پورا کرتے ہیں

وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ہجر



ندان سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں، نہ ان سے شکرگذاری کی توقع رکھتے ہیں۔

وہ سچ بولتے ہیں۔

وہ خاکساری کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

وہ روزہ رکھتے ہیں۔

وہ خدا کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔

اگر جاہل ان سے جہالت کریں تو سلام کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔

راتوں کو کھڑے عبادت کرتے ہیں۔

دوزخ کے عذاب سے نجات کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔

وہ نہ فضول خرچ ہوتے ہیں نہ بخیل۔

وہ کسی کو قتل نہیں کرتے۔

وہ بدکار نہیں ہوتے۔

وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

بیہودہ کاموں کے پاس سے گزر رہتے ہیں تو وقار اور متانت سے

گزر جاتے ہیں۔

وہ اپنے پروردگار کی آیتوں پر غور کرتے ہیں اور انہیں سمجھتے ہیں۔ ان پر

اندھے بہرے سے بھوک نہیں گرتے۔

اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر چلتے ہیں۔

لوگوں کو غلامی یا قرین کی لعنت کے عینہ سے آزاد کراتے ہیں۔

وہ یتیم رشتے داروں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

وہ ایک دوسرے کو سب گرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔

وہ ایک دوسرے کو رحم کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔  
وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں۔

جو لوگ ان صفات سے متصف ہوں گے، وہ آخرت کی زندگی میں  
کامیابی اور کامرانی حاصل کریں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے خالق کی خوشنودی  
حاصل کر لیں گے۔ یہی اصلی کامیابی ہے۔

# دوزخ کے مستحق — کون ہیں؟

ذیل کی آیات میں وہ بڑی صفات بتائی گئی ہیں جن کے موصوف دوزخ کے مستحق ہو جاتے ہیں:

”اور جو ان میں سے یہ دعویٰ کرے گا کہ خدا کے سوا میں بھی ایک معبود ہوں تو اس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے سرکشوں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“

(الانبیاء ۲۹)

”اس میں شک نہیں کہ جو اللہ کے ساتھ شریک گردانے، تو اللہ کی طرف سے بہشت اس پر حرام ہو چکی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

(المائدہ ۷۲)

”اور جو تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہو گا اور کفر سی کی حالت میں مرجائے گا، تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا دنیا اور آخرت میں اکارت کیا اور یہی ہیں دوزخی وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔“

(البقرہ ۲۱۷)

”ان (نافرمانوں) کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔“

وہ چوپاؤں کی مثل ہیں بلکہ وہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں، اور یہی  
لوگ غافل ہیں۔“

(الاعراف ۱۷۹)

”وہ گنہگاروں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا۔ وہ  
کہیں گے کہ ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے اور محتاج کو کھانا نہیں کھلاتے  
تھے اور بے ہودہ بکواس کرنے والوں کے ساتھ (مل کر) بکواس کیا کرتے  
تھے، اور جزا کے دن (یعنی قیامت) کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ  
ہمیں موت آگئی۔“

(المدثر از ۲۰ تا ۲۷)

”اللہ تعالیٰ نے (شیطان سے) فرمایا چلا جا کہ جو کوئی بھی ان میں سے  
تیرا تابع ہوگا تو بے شک دوزخ تم لوگوں کا پورا عوصن ہے۔“  
(بنی اسرائیل ۶۳)

”اور جو لوگ منکر ہیں ان کے حمایتی شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال  
کر تاریکیوں میں دھکیلتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ دوزخ  
میں رہیں گے۔“

(البقرہ، ۲۵)

”لے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا، ہم بالیقین  
سنو، کو دوزخ میں داخل کریں گے۔“

(النسار، ۵۶)

”بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جو قیامت کو جھٹلائے گا  
اس کے لیے ہم نے دوزخ تیار کی ہے۔“

(الفرقان ۱۱)

”جن لوگوں نے اللہ کے حضور حاضر ہونے کو جھٹلایا، بلاشبہ وہ لوگ

گھاٹے ہیں رہے یہاں تک کہ جب قیامت ایک دم اُن پر آجورد  
 ہوگی تو وہ چلا اٹھیں گے کہ افسوس ہماری کوتاہی پر جو قیامت کے بارے  
 میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنے رگناہوں کے (بوجھ اپنی پٹھوں پر لادے  
 ہوں گے دیکھو تو کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو یہ لوگ لادے ہوں گے۔“

(الانعام ۳۱)

”اور قوم نوح نے بھی جب رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور  
 انکو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا....“

(الفرقان ۳۷)

”جو اس کتاب کو جھٹلاتے ہیں اور ان کتابوں کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کی  
 معرفت بھیجی، سو عنقریب انہیں حقیقت معلوم ہو جائے گی۔“

(المومن ۷۰)

”عزیزانہ تکبر کرنے والوں کا کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔“

(النخل ۲۹)

(ان کافروں سے کہا جائے گا) ”یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

(الطور ۱۲)

”بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے

(النسار ۱۴۰)

والا ہے۔“

”جو لوگ کفر اور ظلم کرتے رہے، ان کو خدا نہ تو بخشے ہی گا اور نہ انہیں

جہنم کے راستے کے سوا کوئی راستہ دکھائے گا، جس میں وہ ہمیشہ

ہمیشہ رہیں گے۔“

(النسار ۱۴۸، ۱۴۹)

”اور اس دن ہم دوزخ ان کافروں پر پیش کریں گے جن کی آنکھوں پر  
میری یاد سے پردہ پڑا تھا، اور وہ سننے کی تاب نہ لایا کرتے تھے“

(الکہف ۱۰۱/۱۰۰)

”تو کیا جو کافر ہوئے ہیں انہوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ میرے  
سوا میرے بندوں کو کارساز بنائیں۔ بے شک ہم نے دوزخ کو  
کافروں کی بہانی کے لیے تیار کر رکھا ہے“

(الکہف ۱۰۲)

”ان کی سزا یہ جہنم ہے اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں  
اور ہمارے پیغمبروں کی سنسی اڑائی“

(الکہف ۱۰۶)

”اور جو لوگ کافر ہیں (دنیا میں اس طرح) رستے بستے اور کھاتے (پیتے)  
ہیں۔ جس طرح چارپائے کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے“

(محمد ۱۲)

”ہاں جو روگردانی اور انکار کرے، تو خدا اس کو بڑا عذاب دے گا“

(الغاشیہ ۲۳، ۲۴)

”جنہوں نے اپنے دین کو منسی کھیل بنا رکھا تھا، اور دنیا کی زندگی انہیں دھوکے  
میں ڈالے ہوئے تھی تو آج ہم بھی ان کو جھلا دیں گے جیسے انہوں  
نے اپنے اس دن کے پیش آنے کو جھلا دیا...“

(الاعراف ۵۱)

”... اور جس عذاب کی سنسی اڑاتے تھے، وہ انہیں گھیرے میں لے لے گا“

(الجمہ ۳۳)

”اور جس دن نافرمان (پشیمانی کی شدت کے باعث) اپنے ہاتھ کاٹے گا (اور) کہے گا کہ اے کاش! میں رسول کے ساتھ رستے لگ لیتا“ (الفرقان ۲۷)

”اور قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا ہے ان کے منہ کا لے ہوں گے“ (الزمر ۶۰)

”بلکہ (اس کا فرنی) جھٹلایا، اور منہ موڑا پھیرا کرتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلتا بنا (تو اسے شخص) تجھ پر تفت ہے پھر تفت ہے۔ پھر (اسے شخص) تجھ پر تفت ہے، پھر تفت ہے“ (القیمة از ۳۲ تا ۳۵)

”اور جس نے سخیل کیا، اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور عمدہ بات کو جھٹلایا تو ہم اس کو سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے (یعنی اس کے لیے وہ اعمال آسان ہو جائیں گے جن کے باعث وہ مشکل جگہ یعنی دوزخ میں جائے)“ (اللہیل از ۸ تا ۱۰)

”اور جو لوگ بندگی سے عار رکھتے اور تکبر کرتے تھے خدا انہیں عذاب دردناک کی سزا دے گا“ (النار ۱۷)

”اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور ان سے اکڑ بٹھیں گے وہی دوزخی ہیں کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے“ (الاعراف ۳۶)

”سو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم رکھا تو اس کا ٹھکانہ بس دوزخ ہے“ (النزعت از ۳۷ تا ۳۹)

”بیشک وہ لوگ جنہوں نے ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کو مصیبتوں میں مبتلا کیا، پھر توبہ نہ کی ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے“ (البروج ۱۰)

”کیا تم (خدا کی) کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو تو تم میں سے جو بھی یہ کام کرے، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ

دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف لوٹائے  
جائیں۔“

(البقرہ ۸۵)

”اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے اور اللہ کی باندھی ہوئی حدوں  
سے بڑھ چلے تو اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔۔۔۔۔“ (النساء ۱۴)

”اور بے شک بدکار دوزخ میں ہوں گے۔“ (الانفطار ۱۴)

”اور جنہوں نے بدیاں کمائیں، تو سہرہ بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی اور ذلت ان  
پر سوار ہوگی۔ انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا (ان کے چہرے ایسے سیاہ ہوں  
گے) گویا ان کے چہروں کو کالی رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔۔۔۔۔“

(یونس ۲۷)

”اور جو لوگ بُری چالیں چلتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔“

(فاطر ۱۰)

”اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں، اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ

نہیں کرتے، ان کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنادو۔“ (التوبہ ۳۴)

انے آیات قرآنی کی رُو سے دوزخ میں جانے والوں کی صفات مندرجہ ذیل

ہوں گی:

جو خدا کو نہیں مانتے اور خود معبود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

جو خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

جو دین سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔

جو اپنے دل، آنکھوں اور کانوں سے صحیح کام لے کر حق کو نہیں پہچانتے اور

جانوروں کی طرح آخرت کی فکر سے بے پروا ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔

جو نماز نہیں پڑھتے۔



جو محتاجوں کی امداد نہیں کرتے۔

جو بے سودہ بکواس کرتے ہیں۔

جو قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔

جو شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔

جو منکر ہیں۔

جو خدا کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

جو قیامت کے دن خدا کے حضور میں حاضر ہونے کو نہیں مانتے۔

جو پیغمبروں کو جھٹلاتے ہیں۔

جو خدا کی عیبی ہوئی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں۔

جو تکبر کرتے ہیں۔

جو دوزخ کو جھٹلاتے ہیں۔

جو منافق ہیں۔

جو ظلم کرتے ہیں۔

جو خدا کی یاد سے غافل رہتے ہیں۔

جو خدا کے بجائے خدا کے بندوں کو کارساز سمجھتے ہیں۔

جو پیغمبروں اور اللہ کی آیات کی سہمی اڑاتے ہیں۔

جو روگردانی کرتے ہیں۔

جو دین کو سہمی کھیل بنا لیتے ہیں۔

جو عذاب کی سہمی اڑاتے ہیں۔

جو نافرمان ہیں۔

جو خدا پر جھوٹ بولتے ہیں۔

جو اکڑتے ہیں۔

جو بندگی سے غار رکھتے ہیں۔

جو سرکش ہیں۔

جو دنیا کی زندگی کے فائدوں کو آخرت کے فائدوں پر مقدم رکھتے ہیں۔

جو ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو دکھ دیتے ہیں۔

جو خدا کی کتاب کے بعض حصوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔

جو خدا اور رسولؐ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں۔

جو خدا کی باندھی ہوئی حدود کو توڑتے ہیں۔

جو بدکار ہیں۔

جو بیدیاں کھاتے ہیں۔

جو بڑی چالیں چلتے ہیں۔

جو لوگ مال کی حرص میں سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں

خرچ نہیں کرتے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو دوزخ کے مستحق ہوں گے، جب تک کہ وہ ان گناہوں سے

توبہ کر کے انہیں چھوڑ نہ دیں

# فکر آخرت اور شوق آخرت

راہیں کتنی ہی کھٹن کیوں نہ ہوں، اگر منزل مقصود کا شوق تیز ہوگا تو انسان جیسے کیسے ان مشکل راہوں کو طے کر ہی لے گا۔ راہیں کتنی ہی دلفریب کیوں نہ ہوں، اگر دل میں پکا یقین ہو، کہ منزل مقصود ان راہوں سے بدرجہا زیادہ دلفریب اور خوش کن ہے تو انسان کبھی راہوں کی دلفریبیوں میں کھو کر بیٹھ نہیں جائے گا۔ بلکہ اصل منزل کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا رہے گا تا کہ بہتر اور پائیدار خوشی حاصل کر سکے۔

یہی حال ہماری انسانی زندگی کا ہے اگر دلوں میں یہ خیال جاگزیں رہے کہ یہ زندگی جو آج ہم گزار رہے ہیں صرف راہ کی حیثیت رکھتی ہے اور منزل مقصود وہی ہے جو موت کے بعد ملے گی تو پھر اس راہ پر کانٹے اُگے ہوں یا پھول کھلے ہوں، عقلمند راہی راہ کو راہ ہی سمجھے گا، اور منزل مقصود نہیں بنائے گا۔ اگر راستے میں کانٹے اُگے ہوں گے تو وہ خندہ پیشانی سے ان کی اذیتیں سہتا سفر جاری رکھے گا، اور اگر پھول کھلے ہوں تو اس کے لیے اتنی خوشی کافی ہوگی کہ راستہ چلتے ہوئے کانٹوں کی اذیت نہیں سہنی پڑے اور خوشبو مشام جاں کو معطر کر رہی ہے۔ باقی وہ اُن پھولوں سے خطا اٹھانے کے لیے راہ کو منزل بنا کر وہاں بیٹھ نہیں جائے گا بلکہ صحیح منزل کی طرف گامزن رہے گا۔

دنیا کی زندگی گزارتے ہوئے جو کٹھن ذمہ داریاں پوری کرنی پڑتی ہیں اور راہِ حق پر قائم رہنے کے لیے جن سختیوں سے گزرنا پڑتا ہے انہیں کانٹے سمجھ لیجئے۔  
دنیا کی زندگی گزارتے ہوئے جو عیش و آرام، جاہ و جلال، خوشحالی و فارغ البالی حاصل ہوتی ہے انہیں پھول تصور کر لیجئے۔

جس عقلمند انسان کا ایمان ہے کہ انسانی زندگی کی یہ پہلی سیٹیج جو پیدائش سے لے کر موت تک چلتی ہے بعد میں آنے والی دونوں سیٹیجوں سے زیادہ ناپیدار اور عارضی ہے اور انسانی زندگی کی وہ تیسری سیٹیج جو قیامت سے شروع ہو کر پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم رہتی ہے سب سے زیادہ اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اُسے خوشگوار بنانے کی کوشش کی جائے، وہ دانا نہ تو زندگی کے کانٹوں کی اذیت سے دل شکستہ ہوگا اور نہ پھولوں کی مہک اُسے اپنی منزل سے غافل کرے گی۔ اگر اس کی زندگی میں کانٹے آئیں گے تو صبر و استقلال سے ان کی اذیت برداشت کرے گا اور چلتا چلا جائے گا، اور اگر اس کی زندگی میں پھول کھلیں گے، تو وہ خدا کا شکر ادا کرے گا کہ اس نے اپنی مہربانی سے اس کے سفر کو خوشگوار بنا دیا ہے مگر وہ ان پھولوں بھری راہ کو کبھی منزل بنانے کا خیال بھی نہیں کرے گا۔ منزل تو وہی ہے جو درحقیقت ہے۔  
عقلمند اور دانا وہ ہے جو اپنے نفع اور نقصان کو اچھی طرح سمجھے جس نے عارضی اور ناپائیدار خوشی حاصل کرنے کی دھن میں ہمیشہ رہنے والی اور انتہائے کمال پر پہنچی ہوئی خوشی کو نظر انداز کر دیا۔ اس نے ہرگز دانائی کا ثبوت نہ دیا۔

## فکرِ آخرت

حضرت عبداللہ (بن مسعود) بیان کرتے ہیں کہ میں نے تم لوگوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے تمام فکروں کو چھوڑ کر ایک ہی فکر لگالی، یعنی آخرت

کی فکر، اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی فکروں کے معاملے میں اس کے لیے کافی ہو جائے گا اور جسے طرح طرح کے دنیاوی فکروں نے پریشان رکھا (اور وہ آخرت کی فکر کو بھولارہا) تو اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔

(ابن ماجہ)

ابان بن عثمان بن عفان بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت مروان (اموی) کے پاس سے (ٹھیک) دوپہر کے وقت نکلے۔ میں نے کہا کہ مروان نے انہیں اس وقت ضرور کوئی بات پوچھنے کے لیے بلایا ہوگا۔ پس میں نے حضرت زید بن ثابت سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے ہم سے کچھ باتیں پوچھی تھیں جو ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ (پھر فرمایا کہ) میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس شخص کو دنیا ہی کی فکر لگی رہے اللہ تعالیٰ اس کے کام پر اگندہ کر دے گا اور اس کی محتاجی کو اس کی آنکھوں کے سامنے لے آئے گا اور (پھر بھی) اُسے دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی اس کے لیے (اس کی تقدیر میں) لکھی جا چکی ہوگی۔ اور جس کی نیت آخرت (کی فلاح حاصل کرنا) ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کے معاملات میں جمعیت پیدا کر دے گا، اور اس کے دل میں تو نگری پیدا کر دے گا اور دنیا ناک رگڑتی اس کے پاس آئے گی۔

(ابن ماجہ)

ان دونوں حدیثوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ فکر کی جانے والی اصل شے آخرت ہے جس نے کبھی ختم نہیں ہونا۔ جو شخص اس فکر میں مصروف رہے گا اس کے دنیوی معاملات خدا کی مہربانی سے خود بخود ہی سدھ جائیں گے۔ کیونکہ آخرت کی بہتری کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ بتایا ہے وہ ایسا ہے کہ اس پر چلنے سے دنیوی معاملات خود بخود ہی درست ہو جاتے ہیں مثلاً جو حلال کی روزی کمائے گا اس کی کمائی میں خیر و برکت ہوگی جو نیکو کاری کی زندگی گزارے گا لوگ اسے عزت اور محبت دیں گے، جو تاجر دیانتداری برتے گا اس کی تجارت چمک اٹھے گی، جو اپنے والدین کا خدمت گزار ہوگا اس کی اولاد

اس کی خدمت گزار ثابت ہوگی، جو رشتے داروں سے صلہ رحمی کرے گا اُسے اپنے دکھ سکھ میں رشتے داروں کی امداد اور ان کا تعاون حاصل رہے گا۔ مگر ضلکہ جیسے حضور نے فرمایا جو اپنا مقصود آخرت کی کامیابی رکھے گا دنیا خود بخود اس کے دروازے پر آئے گی۔ پھر آخرت کی فکر رکھنے والا گناہوں سے پرہیز کرنے کی کوشش کرے گا اور گناہوں سے پرہیز کرنے کے باعث وہ ان اذیتوں سے بچ جائے گا جو گناہوں کی پیداوار ہوتی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعمال کو گناہ قرار دیا ہے انہیں اسی لیے گناہ کہا ہے اور اسی لیے ان سے روکا ہے کہ وہ انسانوں کو ضرر پہنچانے والے تھے۔ اس کے علاوہ جس انسان کو اپنی آخرت بہتر بنانے کا شوق ہوگا اس کے لیے دنیوی ساز و سامان اور شان و شوکت میں ایسی کشش نہ ہوگی کہ وہ انہیں ناجائز ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے اور خدا اس کے دل میں ایسی قناعت پیدا کر دے گا اور اسے ایسا سیرِ حشیم بنادے گا کہ دنیوی حرص و لالچ سے پیدا ہونے والی پریشانیاں بھی اس تک نہیں پہنچ سکیں گی اور خدا کی مہربانی سے اس کے دل میں سکون ہوگا اور اس کے معاملات سدھر جائیں گے۔

اس کے برعکس جو شخص آخرت کو تو بھولا رہے گا اور بہر وقت دنیوی فکر ہی اس کے دل و دماغ پر حاوی رہیں گے اور وہ انہیں چکڑوں میں رہے گا کہ کہیں یہ پریشانی نہ مجھے آئے، کہیں میں اس نقصان کا شکار نہ ہو جاؤں، کسی طرح مجھے یہ مل جائے، کسی طرح مجھے وہ حاصل ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اُسے اس کے ان اندیشوں اور فکروں کے ساتھ تنہا چھوڑ دے گا اور اس کی امداد نہیں فرمائے گا نہ اس بات کی پروا کرے گا کہ کون سا دنیوی فکر اُسے برباد کر دیتا ہے۔ حدیث میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ دنیا کا اتنا زیادہ فکر لگانے والا انسان اپنے غم و فکر سے اپنی دنیا کو کچھ سدھار نہیں سکے گا بلکہ اس ساری سوچ بچار اور پریشانیوں کے باوجود دنیا اُسے اتنی ہی ملے گی

حتیٰ اس کی قسمت میں لکھی جا چکی ہوگی۔ یہ بے کار کا غم و فکر ہوگا، جس میں وہ اپنی جان کھپاتا رہے گا۔

ابن شہنائم مہری بیان کرتے ہیں کہ جب عمرؓ بن عاص کی وفات قریب تھی تو ہم ان کے پاس آئے۔ وہ دیر تک روتے رہے اور اپنے چہرے کو دیوار کی طرف پھیر لیا ان کا بیٹا انہیں تسلی دینے کے لیے کہنے لگا کہ اے میرے باپ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ خوشخبری نہیں دی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وہ خوشخبری نہیں دی تھی۔ پھر انہوں نے اپنا چہرہ ہمارے سامنے کر لیا اور کہا کہ سب سے فضیلت والا (زادِ آخرت) جو ہم تیار کرتے ہیں وہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں تین حالتوں میں رہا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں (بھی) دیکھا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھ سے زیادہ شدید لُغْض رکھنے والا اور کوئی نہ تھا اور مجھے سب سے زیادہ محبوب یہ بات تھی کہ مجھے حضورؐ پر قدرت حاصل ہو جائے اور میں (لغو ذب اللہ) آپ کو شہید کر دوں۔ اگر میں اسی حالت میں مرجاتا تو میں دوزخیوں میں سے ہوتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام (کا خیال) ڈال دیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنا دایاں ہاتھ پھیلائیے میں آپ کی بیعت کروں گا۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ پھینچ لیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تجھے کیا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں ایک شرط کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کیا شرط کرنی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام تمام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت تمام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج تمام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے (اس کے بعد پھر میری یہ حالت تھی کہ) مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا اور نہ آپ سے زیادہ کوئی میری نگاہوں

میں صاحبِ جلال تھا۔ آپ کی شان و جلال کے باعث میں آپ کو نگاہ بھر کر دیکھ نہیں  
 سکتا تھا۔ اگر مجھ سے کہا جائے کہ میں آپ کا حلیہ مبارک بیان کروں تو میں نہیں کر سکتا  
 کیونکہ میں آپ کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھتا تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میں امید کرتا ہوں  
 کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا پھر تم بہت سی چیزوں کے ذمہ دار بنا دیے گئے (یعنی حضور  
 کے تشریف لے جانے کے بعد ہمیں حکومت اور اختیارات مل گئے) اور میں نہیں جانتا کہ  
 کہ ان میں میرا کیا حال رہا۔ پس جب میں مر جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ نہ زومہ  
 کرنے والی عورت جائے اور نہ آگ (جیسا کہ اسلام سے پہلے دستور تھا اور جس سے رسول خدا  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا تھا) پھر جب تم مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر اچھی طرح پوری مٹی  
 ڈالنا اور میری قبر کے گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا  
 گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس حاصل کر سکوں اور دیکھوں کہ اپنے رب کے  
 بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دے سکوں گا۔ (یعنی نکیرین کو جو قبر میں سوال پوچھتے  
 ہیں) (مسلم)

علاء بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے والد نے بتایا کہ  
 میں (حضور کے صحابی) حضرت براء بن عازب سے ملا اور میں نے (ان سے)  
 عرض کیا کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف  
 حاصل کیا اور آپ نے (صلح حدیبیہ کے زمانے میں) درخت کے نیچے حضور کی  
 بیعت کی (جو ایک بہت بڑا شرف تھا) اس پر حضرت براء نے فرمایا کہ اے  
 بھتیجے تجھے کیا معلوم کہ حضور کے (دنیا سے تشریف لے جانے کے) بعد ہم نے  
 کیا کچھ کیا۔ (بخاری)

جن لوگوں کے دلوں میں واقعی آخرت کی فکر ہوتی ہے انہیں اپنی نیکیاں بڑی  
 نہیں لگتیں بلکہ وہ تو اس خوف سے لرزاں رہتے ہیں کہ خدا معلوم ہم سے کیا کیا



اعمال ایسے ہو گئے ہوں جو ہماری آخرت پر بڑا اثر ڈال دیں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لذتوں کو مٹا دینے والی (یعنی موت) کو بکثرت یاد کیا کرو۔ (نسائی)

موت کو ”لذتوں کو مٹا دینے والی“ یا تو اس لیے کہا گیا ہے کہ موت آجاتی ہے تو دنیوی لذتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ یا پھر اس لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص اکثر موت کو یاد کرتا رہتا ہے اُسے دنیا کی بے ثبات اور عارضی لذتوں میں دلچسپی نہیں رہتی۔ گویا موت کی یاد دہانے ان لذتوں کو مٹا دیا۔

دنیوی زندگی میں حاصل ہونے والی فضیلتوں کی انتہا بادشاہیاں اور سرداریاں سمجھی گئی ہیں۔ بادشاہیوں خصوصاً مطلق العنان بادشاہیوں میں حکمرانوں کو عیش و آرام حاصل کرنے اور اس عارضی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے کے لیے بے پناہ وسائل حاصل ہوتے تھے، اور ان لوگوں نے ان وسائل سے انتہائی فائدے بھی اٹھائے مگر زندگی کے ان پھولوں نے ان کے گلزاروں کو ذرا بھی پائیدار نہ بنایا، اور وہ اسی طرح سب سے اپنے انجام کو پہنچ گئے جس طرح وہ پہنچ جاتے ہیں جنہیں یہ وسائل حاصل نہیں ہوتے۔ ذرا دنیا کے ان بڑے بڑے سلاطین کے آخری لمحات پر غور کیجئے، جنہیں زندگی میں جاہ و جلال، عیش و آرام اور عزت و مرتبہ سب کچھ حاصل تھا۔

بنو امیہ کے مشہور و معروف خلیفہ عبدالملک کو جب اپنے مرنے کا یقین ہو گیا تو اس نے کہا:

”جب سے میں پیدا ہوا ہوں، مجھے یہ آرزو ہی رہی کہ میں کسی طرح اپنے آپ کو مسرور کر سکوں، لیکن مجھے کبھی سچی مسرت حاصل نہ ہوئی۔ میں نے حکومت کا بوجھ اس لیے اپنے سر لیا تھا کہ بادشاہت انسان کی ترقی

کی معراج ہے۔ لیکن مجھے دھوکا ہوا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس پر سخت نادم اور متاسف ہوں مگر ندامت اور تاسف کا وقت گزر چکا ہے اور میں ناکام اور نامراد اور بارگناہ دنیا سے لیے جا رہا ہوں۔ میں نے جو راستہ اپنے لیے منتخب کیا وہ سراسر غلط تھا۔ میرے حال اور انجام سے عبرت حاصل کرو۔“

نبو عباس کے شہرہ آفاق خلیفہ ہارون الرشید کو جب موت نے آیا تو وہ طوس کے علاقے میں تھا۔ جس گھر میں ٹھہرا ہوا تھا اسی میں اپنے لیے قبر کھدوائی۔ قبر کھدائی تو چند حافظوں نے قبر میں اتر کر قرآن مجید ختم کیا۔ ہارون الرشید نے کہا: ”لوگو! گواہ رہنا کہ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا پتے دل سے قائل ہوں۔ میں ایک معصیت اور گناہ کا پیکر ہوں۔ جس نے ساری عمر غم غلط کرنے کی کوشش کی، لیکن میں پھر بھی غم غلط نہ کر سکا۔ میں نے بے حد منہ موم اور فکر کی زندگی گزاری ہے۔ حکومت کے کاموں اور حکومت کی لعنتوں نے مجھے اکثر خدا اور مذہب سے غافل رکھا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ مجھے زندگی کا کوئی دن ایسا یاد نہیں ہے جو میں نے بے فکری کے ساتھ گزارا ہو۔ اب میں موت کے کنارے ہوں۔ موت مجھے تم سب سے جدا کر دے گی اور یہ قبر جو اس وقت منہ کھولے میرے سامنے ہے میرے جسم کو نکل لے گی۔ یہی ہر انسان کا انجام ہے مگر انسان اپنے انجام سے میری طرح غافل رہتا ہے۔“

خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے مامون الرشید کے عہد کو عہد نبو عباس کا سنہرا دور کہتے ہیں۔ جب مامون کے آخری لمحات آئے تو وقت کا ایک مشہور زبان دان جا حفظ عیادت کے لیے آیا، دیکھا کہ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ اس پر ریت پڑی تھی۔ مامون اس پر بوٹ رہا تھا، اور یہ الفاظ زبان پر تھے:

” اے وہ کہ جس کی بادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اس پر رحم فرما جس کی بادشاہی جاری ہے۔ اے وہ جو کبھی نہیں مرے گا، اس پر رحم کر جو مرد ہے۔“  
 جاحظ نے کہا: ”خدا امیر المؤمنین کا جاہ و جلال زیادہ کرے اور تندرستی بخشنے۔“

مامون نے کہا: ”میری تندرستی کی دُعا نہ کرو، بلکہ میرے لیے مغفرت کی دُعا کرو۔“

پھر کہا: ”خدا یا تو نے ہمیں حکم دیئے اور ہم نے نافرمانی کی، تو مجھے بخش دے، کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے۔“  
 اس کے بعد روح پرواز کر گئی۔

بنو عباس کے خلیفہ واثق باللہ نے مرتے وقت یہ اشعار پڑھے۔  
 ”موت میں سب برابر کے شریک ہیں، نہ بازاری لوگ بچیں گے  
 نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے، غریبوں کو ان کی قبر میں عزت نے  
 کوئی نقصان نہیں پہنچایا امیروں کو ان کی امیری بھی کوئی نفع نہ  
 پہنچائے گی۔“

پھر حکم دیا کہ فرش اٹھا دیا جائے اور اپنا رخسار زمین پر رکھ کر چلایا۔  
 ”اے وہ جس کی بادشاہی لازوال ہے! اس پر رحم کر جس کی بادشاہی ختم ہو گئی۔“  
 یہ کہا، اور انتقال کر گیا۔

سکندر اعظم جس کی فتوحات نے دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو زیر کر دیا تھا جب موت اس کے سامنے آئی تو وہ کہہ اٹھا:

”میں دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا مگر موت نے بہت جلد عین عالم جوانی میں مجھے فتح کر لیا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اس دن کے لیے میں نے کتنے انسانوں کا خون

بہایا اور جو تلوار سے پچ گئے، انہیں کس قدر زبردست کیا، اور آج میں کیا لے کر جا رہا ہوں...“

”نیولین جو دنیا کے عظیم فاتحین میں شمار ہوتا تھا، جب اس کی موت آئی تو وہ سینٹ ہیلنا میں قید تھا۔ مرتے وقت اس نے کہا:

”ماریوسی میرے ہاں گناہ تھی۔ مگر مجھ سے زیادہ ماریوس انسان دنیا میں کوئی

نہیں ہے۔ میں دنیا میں دو چیزوں کا بھوکا تھا۔ ایک حکومت کا اور دوسرے محبت کا۔ حکومت بڑی جدوجہد سے مجھے ملی مگر میرا ساتھ نہ دے سکی۔

اگر ساتھ دیتی بھی تو کتنے دن کے لیے، جس کا انجام آج میرے پیش نظر ہے

محبت کو میں نے بہت تلاش کیا مگر میں اُسے حاصل نہ کر سکا۔ میں نے جس

سے محبت کی اس نے مجھے دغا دی۔ شاید محبت کا جواب دغا ہی ہوتا ہوگا

اگر کسی انسان کی زندگی کا مقصد یہی ہے جو میرا رہا ہے تو وہ زندگی بے معنی

ہے۔ میرے نزدیک دنیا ماریوسی ہے اور ماریوسی ہی کا نام دنیا ہے۔“

یہ ان سلاطین کے آخری لمحات ہیں جنہوں نے بادشاہیوں کو بادشاہیوں کی خاطر

چاہا۔ اب ذرا ان پاکیزہ سبھیوں کے آخری لمحات بھی ملاحظہ کر لیجئے، جنہوں نے

بادشاہیوں کی قطعی خواہش نہ کی، جنہیں عوام نے اپنی مرضی سے سرداریاں دیں اور

چونکہ وہ سرداریوں کے خواہشمند نہیں تھے اس لیے انہوں نے ان سرداریوں کو ذریعہ نشان و

شوکت و عیش و آرام بنانے کے بجائے انہیں ذمے داریاں سمجھا اور عمر کے آخری

لمحات تک احساسِ فرض شناسی کے باعث کانپتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کی حالت خراب ہو گئی اور سمجھ لیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

اس پاکیزہ ساتھی کا آخری وقت آ گیا ہے تو آپ نے اپنے جانشین حضرت عمر فاروق کو

مناطہ کر کے کچھ نصیحتیں کیں۔ فرمانے لگے۔

” میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں۔ اگر تم نے اسے یاد رکھا تو دنیا کی  
 کی کوئی چیز تمہیں موت سے زیادہ محبوب نہ ہوگی۔ اور موت کا آنا یقینی  
 ہے اور اگر تم نے میری وصیت کو بھلا دیا تو پھر دنیا کی کوئی چیز تمہارے  
 لیے موت سے زیادہ مغفوض (ناپسندیدہ) نہ ہوگی۔ حالانکہ تم کسی طرح  
 بھی موت سے نہیں بچ سکتے۔ یاد رکھو تم پر تمہارے خدا کے کچھ حقوق  
 رات میں ہیں جن کو وہ دن میں ہرگز قبول نہیں کرے گا، اور کچھ حقوق دن میں ہیں  
 جن کو وہ رات میں ہرگز قبول نہیں کرے گا، اور یاد رکھو خدا اس  
 وقت تک نفل عبادات قبول نہیں کرے گا جب تک فرائض ادا نہ  
 کر لو۔ حشر کے میدان میں ان لوگوں کی میزان ہلکی ہوگی، جو باطل کی پیروی  
 کر رہے ہیں۔ بلاشبہ باطل انتہائی ہلکا اور بے وزن ہے اور جس میزان  
 میں باطل رکھا جائے اسے ہلکا ہونا ہی چاہیے۔ قیامت کے روز بھاری  
 میزان ان لوگوں کی ہوگی جو دنیا میں حق کی پیروی کرتے رہے اور حق انتہائی  
 بھاری اور وزنی ہے۔ جس میزان میں حق رکھا جائے گا، اُسے بھاری اور  
 وزنی ہونا ہی چاہیے۔ اگر تم نے میری یہ وصیت یاد رکھی تو تمہارے لیے  
 موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور اگر تم نے یہ وصیت بھلا دی  
 تو غائب چیزوں میں موت سے زیادہ کوئی چیز تمہارے لیے مغفوض نہ  
 ہوگی۔ لیکن یاد رکھو تم ان سے بھاگ نہیں سکو گے۔“

بنو امیہ کے شہزادہ آفاق، پاکباز، دیندار خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے واقعات  
 نہایت مؤثر اور دلپذیر ہیں۔ آپ کی وفات کے متعلق ایک روایت آپ کی بیوی  
 فاطمہ بنت عبدالملک کی ہے۔ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ میں  
 آپ کے یہاں سے چلی جاؤں۔ آپ سوئے نہیں ہیں۔ شاید آپ کو نیند آجائے یہ کہہ کر  
 میں دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں سے میں نے سنا کہ آپ بار بار اس آیت کی

تلاوت کر رہے تھے۔

”یہ آخرت کا گھر ہے اسے ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں نہ مناد کرتے ہیں اور عاقبت پر ہینز گاروں کے لیے ہے۔“

پھر دیر تک مجھے حرکت محسوس نہ ہوئی۔ میں نے تیمارداری کرنے والے خادم سے کہا کہ جا کر دیکھو تو سہی، اس نے جا کر دیکھا، تو زور سے چلایا۔ میں نے جا کر دیکھا، تو آپ کو مردہ پایا۔ ایک ہاتھ منہ پر اور دوسرا آنکھوں پر رکھے تھے۔

آپ کی وفات کے متعلق ایک اور روایت بھی آتی ہے کہ آخری لمحات میں آپ نے سب کو چلے جانے کا حکم دیا سب چلے گئے۔ آپ کی بی بی فاطمہ اور ان کے بھائی مسلمہ بن عبد الملک دروازے پر رہے ان لوگوں کے کان میں یہ آواز آئی:

”کیا مبارک چہرے ہیں جو نہ آدمیوں کے ہیں نہ جنوں کے۔“

اس کے بعد مندرجہ بالا آیت پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ مسلمہ نے بہن سے کہا کہ انتقال ہو گیا۔ جا کر دیکھا تو واقعی انتقال ہو چکا تھا۔

خلیفہ بننے کے بعد آپ نے زاہدانہ زندگی اختیار کر لی۔ بیت المال میں سے صرف اتنا وظیفہ لیتے تھے جس سے معمولی درجے کی گزر بسر ہو سکے۔ بیوی بچے بھی انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے وقت مسلمہ نے کہا:

”اے امیر المومنین آپ نے اپنی اولاد کا منہ ہمیشہ اس مال سے خشک رکھا اس لیے آپ ان کو ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں کاش آپ مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو ان کے بارے میں کچھ وصیت کر جاتے۔“

یہ بات سن کر آپ نے فرمایا: تمہارا یہ کہنا کہ میں تمہیں یا خاندان کے کسی شخص کو

ان کے بارے میں وصیت کر جاؤں تو ان کے بارے میں میرا وصی اور میرا ولی صرف خدا ہے اور وہی صلحاء کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لیے کوئی صورت نکال دے گا۔“

پھر آپ نے اپنے لڑکوں کو بلایا، اور انہوں نے بھری آنکھوں سے انہیں دیکھ کر فرمایا:

”میری جان ان نوجوانوں پر قربان جنہیں میں نے محتاج اور مفلس چھوڑا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے انہیں اچھی حالت میں چھوڑا ہے۔ لڑکو! تم کسی عرب یا کسی ذمی سے نہیں ملو گے جس پر تمہارا حق نہ ہو گا۔ لڑکو تمہارے باپ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار تھا، ایک یہ کہ تم لوگ دولت مند ہو جاؤ اور وہ جہنم میں داخل ہو، یا تم لوگ محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے لیکن یہ بات کہ تم محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے اس کو زیادہ محبوب تھی بہ نسبت اس کے کہ تم لوگ دولت مند ہو اور وہ آگ میں جائے اٹھو، خدا تم کو محفوظ رکھے!“

لوگوں کو ان کی وفات کی اطلاع ملی تو عام و خاص، عالم و جاہل، مسلم و غیر مسلم سب ماتم کرنے لگے۔ بصرے کے لوگوں کا قاعدہ تھا کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قاصد بصرے میں آتا تو چونکہ عموماً وہ وظیفوں کے اضافے یا کسی اچھی بات کا حکم یا کسی بُرائی سے ممانعت کا فرمان لاتا اس لیے لوگ اس کا استقبال کر کے اس کو مسجد تک لاتے اور وہ ان کو خط پڑھ کر سناتا، اس لیے جب ان کی وفات کی خبر آئی تو لوگوں نے حسب معمول قاصد کا استقبال کیا لیکن جب اس نے رو کر انہیں آپ کی وفات کی خبر سنائی تو سب رو پڑے۔

حضرت حسن بصریؒ کو جب آپ کی وفات کی خبر پہنچی تو بول اٹھے:

إِنَّا جَاءَهُ وَإِنَّا لَكِهِ رَاجِعُونَ

تمام فقہاء آپ کی نبی فاطمہ کے پاس تعزیت کے لیے گئے اور کہا:

”یہ مصیبت تمام اہمیت کے لیے عام ہے“

عبدالملک بن عمیر نے آپ کی اخلاقی خوبیاں بیان کر کے کہا: اے امیر المؤمنین خدا آپ پر رحم کرے۔ آپ نگاہوں کو جھکائے رہتے تھے، پاک دامن تھے، حق کے ساتھ فیاض اور بخل کے ساتھ بخل تھے۔ غصے کے وقت غصے ہوتے تھے اور رونا مندی کے وقت راضی ہوتے تھے، نہ ظریف تھے، نہ کسی پر عیب لگاتے تھے، نہ کسی کی غیبت کرتے تھے۔

مجاہد کا بیان ہے کہ میں جا رہا تھا کہ ایک نبطی نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ کیا تم حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے وقت موجود تھے؟ میں نے کہا ”ہاں“ یہ سن کر وہ رو پڑا، اور ان کے لیے رحمت کی دُعا مانگی۔ میں نے کہا: ”تم ان کے لیے کیوں رحمت کی دُعا مانگتے ہو؟ وہ تو تمہارے ہم مذہب نہ تھے“ اس نے کہا: ”میں اُن پر نہیں روتا۔ میں تو اس نور پر روتا ہوں جو زمین پر تھا، اور اب بجھ گیا۔“ یہ تھے وہ عقل مند، دورانہدیش لوگ جنہوں نے زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کے دوام کو صحیح معنوں میں سمجھ لیا تھا۔ انہوں نے مفید اور معزز زندگیاں گزاریں، اور پرسکون اور باوقار موتیں حاصل کیں۔ انہوں نے زندگی میں بے انتہا نیکیاں کیں مگر پھر بھی آخرت کی باز پرس سے لرزاں و ترساں رہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک مقولہ ہے کہ:

”جو امر پیش آتا ہے وہ نزدیک ہے لیکن موت اس سے بھی نزدیک تر ہے۔“

ایسے ہی حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں:

”سب سے زیادہ بلیغ اور مؤثر و عظیم یہ ہے کہ انسان قبرستان کو دیکھ کر



عبرت حاصل کرے۔“

سب الہامی مذاہب نے انسان کو وضاحت سے بتایا ہے کہ نیکو کاروں کی عاقبت کی زندگی کبھی نہ ختم ہونے والی اور غم اور تکلیف سے پورے طور پر خالی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس موجودہ زندگی قطعی عارضی اور اپنی انتہائی خوش گواری کی حالت میں بھی غم کے کانٹے سے شاذ و نادر ہی خالی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود آخر کیا بات ہے کہ ہم اس بین حقیقت کو جھٹلا کر دنیوی زندگی ہی کو مقصود بنا لیتے ہیں۔

اس کی تہہ میں بڑی حد تک یہی بات ہے کہ ایمان کی کمزوری کے دھندلکوں میں انجام نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ناپائدار زندگی کی محبت غالب آجاتی ہے اگرچہ جب یہ محبت غالب آجاتی ہے تو خود اس ناپائدار زندگی میں بھی اپنے چاہنے والوں کو ذلت اور رسوائی کا شکار بنا دیتی ہے۔ لہذا عقل مندوں نے ہمیشہ دنیا کی مبالغہ آمیز محبت کی مذمت کی ہے۔ دنیا کی یہ محبت جس کی ذلت کی گئی ہے، وہ محبت ہے جو عاقبت سے غافل کر دیتی ہے اور انسان ہر قیمت پر زندگی سے چمٹے رہنے ہی کو ترجیح دیتا ہے۔ چاہے ایسا کرنے سے کتنی ہی انفرادی اور قومی ذلت کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑتا ہو۔ جب دنیا سے اس قسم کی محبت پیدا ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ حق اور سچائی کی راہ میں جان دینے سے جی چرایا جائے گا اور جب کوئی قوم حق کی راہ میں جان دینے سے جی چرائے اور زندگی کو ایک انمول موتی کی طرح سینت سینت کر رکھنے پر پل پڑے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اس قوم میں بزدلی اور لاپتہ ہمتی پیدا ہو جائے دشمنوں کے دل سے اس کا رعب نکل جائے، وہ سیلاب میں بہنے والے تنکوں کی طرح بے وزن ہو کر رہ جائے اور دوسری قومیں اسے تر نوالہ سمجھ کر اس طرح اس پر ٹوٹ پڑیں جس طرح کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

اس کے برعکس جن دانا انسانوں کے ذہن میں عاقبت کا دوام ذہن نشین ہو چکا ہوتا

ہے اور اس دائمی زندگی کو خوشگوار بنانے کا جذبہ غالب آچکا ہوتا ہے انہیں دنیا کے حقیر ساز و سامان کبھی بھی اس طرح متاثر نہیں کرتے کہ وہ ان کی خاطر سچائی اور دیانتداری کی راہ سے منحرف ہو جائیں۔ محاسبہ آخرت کا خوف انہیں اپنے اعمال کے بارے میں اتنا چوکنا رکھتا ہے کہ وہ خود اپنے محاسب بن جاتے ہیں۔ اس بات کا خیال کہ ایک دن انہوں نے خدا کے آگے جا کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے خود بار بار اپنا حساب لیتے رہیں۔

حضرت ابراہیم بن یزید تمیمی نے جو ایک ممتاز تابعی تھے، ایک دفعہ اپنے دولت مند باپ کو اس بات پر ٹوکا کہ آپ معمولی کپڑے کیوں پہنتے ہیں؟ باپ نے جواب دیا: ”بٹیا جب سے میں بصرے میں آیا، میں نے ہزاروں پیدائے مگر میری خوشی میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ اس لیے لبائل میرے لیے مسرت کا کوئی سامان نہیں۔ میں تو آخرت کے حساب کتاب سے ڈرتا ہوں کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوالدرداءؓ سے سنا ہے کہ قیامت کے روز ایک درہم رکھنے والے سے زیادہ دو درہم رکھنے والے سے حساب ہوگا۔“

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک سرسبز درخت کو دیکھا تو فرمایا: کاش! میں درخت ہوتا کہ عاقبت کی ذمے داری سے چھوٹ جاتا۔“

آپ نے باغ میں پرندوں کو چھپاتے دیکھا تو آہ سرد بھر کر فرمایا: ”پرندو! تمہیں مبارک ہو، مزے سے چگتے پھرتے ہو، اڑتے مچکتے ہو۔ درختوں کی شاخوں پر بیٹھے ہو اور قیامت میں تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ کاش ابوبکرؓ تمہاری طرح ہوتا۔“

حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں: ”دنیا خدا کی سرائے ہے جو آخرت کے مسافروں کے لیے وقف ہے اپنا توشہ لے لے اور جو کچھ سرائے میں ہے اس کا لالچ نہ کر۔“

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا: ”جاہ و عزت سے بھاگو تو عزت تمہارے پیچھے پھرسے گی اور موت پر دلیر ہو تا کہ تمہیں ابدی زندگی بخشی جائے۔“

حسب امتحان کو انسان زیادہ اہمیت دیتا ہے اس کی زیادہ تیاری کرتا ہے۔ ایک ہونہار اور ذہین طالب علم کے لیے امتحان کی تیاری کے دنوں کا ہر لمحہ نہایت قیمتی ہوتا ہے۔ ان تیاری کے دنوں میں تمام غیر ضروری کام چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ بسا اوقات راتوں کی نیند بھی کم کر دی جاتی ہے اور غذا میں بھی اس خیال سے کمی کر دی جاتی ہے کہ زیادہ کھالیا تو زیادہ نیند آئے گی، اور تیاری میں حرج واقع ہو گا۔

یہ تو ان امتحانوں کا حال ہے جن پر بہر حال زندگی اور موت منحصر نہیں ہوتی اور جن میں ایک بار نفل ہو جانے کے بعد دوبارہ امتحان میں بیٹھنے کا موقع بھی موجود ہوتا ہے۔ تو پھر کیا صورت ہو گی اس امتحان کی جس پر ابدی نجات منحصر ہے اور جس میں ایک دفعہ نفل ہو جانے کے بعد کوئی دوسرا موقع دوبارہ امتحان دینے کا حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی تھوڑا سا وقت تیاری کے لیے ملا ہے جسے ہم دنیاوی زندگی کہتے ہیں یہ مختصر سا وقت بالکل سے نکل گیا تو پھر اس کا ایک سیکنڈ بھی دوبارہ نہیں مل سکے گا۔

قرآن پاک میں سورہ فاطر آیت ۳۷ میں اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کے بارے میں فرمایا ہے:

”اور وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں نکال تاکہ ہم جو عمل کیا کرتے تھے ان کے خلاف نیک عمل کریں تو انہیں کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑتا۔“

اس آیت پاک پر جتنا بھی غور کیا جائے کم ہے۔ اب جب ہم زندہ ہیں اور موت سامنے نظر بھی نہیں آرہی، یہی وہ وقت ہے جس میں نصیحت پکڑنے والے کو نصیحت پکڑ لینی چاہیے ورنہ کچھ عجب نہیں کہ وہ وقت سر پر آجائے کہ ہم تڑپ تڑپ کر درخواست کریں کہ ہمیں دوبارہ عمل کرنے کا موقع دیا جائے مگر ہمیں وہی جواب دیا جائے جو نافرمانوں کو دیا جاتا ہے کہ:

”کیا ہم نے بہتیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑتا۔“  
حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں:

”اپنی زندگی کے اس دن پر روجو گذر گیا اور تم نے اس میں نیکی نہ کی۔“  
حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

”مشغولیت سے پہلے فراغت کو اور موت سے پہلے بڑھاپے کو غنیمت جان۔“  
حضرت علی مرتضیٰؓ کا فرمان ہے:

”اول عمر میں جو وقت ضائع کیا ہے آخر عمر میں اس کا تدارک کرنا کہ انجام بخیر ہو۔“  
موت سے ایک اٹل حقیقت ہے اور اٹل ہونے کے علاوہ وہ ہر وقت قریب بھی ہے اگر انسان اپنی طبعی عمر پوری کر کے بڑھا ہو کر بھی دنیا سے جائے تو بھی اسے اس وقت یہی محسوس ہوگا کہ موت تو بہت ہی جلد آگئی۔ انسانوں ہم کیسے نادان تھے کہ اس وقت کو بھولے رہے۔ اس جانگداز ندامت سے بچانے والا شے اگر ہے تو یہی ہے کہ اس اٹل اور قریبی حادثے کو اکثر یاد رکھا جائے اور اس کی تیاری کرتے رہیں حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں:

”جو شخص کل کو اپنی موت کا دن سمجھتا ہے، موت کے آنے سے اُسے کوئی

تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔“

نیز آپ نے فرمایا: ”موت سے بڑھ کر کوئی سچی اور امید سے بڑھ کر کوئی جھوٹی

پیر نہیں

آپ جی بکریہ منظور تھی ہے۔ تمہارے ذہنوں سے اگر میری کاشفین مجبور نہ ہوتے۔  
تو منتوں امیدوں کا غرور اور قریب تمہیں غائب نہ آتا۔  
موت کے یقین سے مراد دو یقین سے جو ذہنوں میں اس طرح نقش ہو جاتا ہے کہ پھر  
اعمال اس یقین کے خلاف نہیں جاسکتے۔ یہی یقین ہے جو منتوں امیدوں کے قریب  
کو غائب نہیں آنے دیتا۔ مردہ معمولی یقین تو ہر انسان کو ہوتا ہی ہے مگر وہ اعمال کی  
اصلاح کے لیے کافی نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قمر مندی فرماتے ہیں کہ:

آخرت کا کام آج کر۔ دنیا کا کام کل پر چھوڑ دے۔

یہ بات اپنی بگڑتی ہے کہ انسان دل برداشتہ ایک حسین حالت پر قائم  
نہیں رہ سکتا۔ بڑے بڑے نیکو کاروں پر بھی ایسے لمحات آئیں گے جب آخرت کا  
خیال اگر ان کے ذہنوں سے بالکل نکلنا نہ ہو گا تو کچھ مدہم ضرور پڑ گیا ہو گا مگر یہ انسانی فطرت  
ہے اور اس سے حرج واقع نہیں ہوتا جو کچھ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ آخرت کے  
خیال کو بار بار ذہن میں تازہ کیا جاتا رہے اور دل کو زیادہ دیر غفلت میں مبتلا نہ  
رہنے دیا جائے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخرت کی اہمیت کا اظہار کرتے

ہوئے فرمایا ہے:

●۔ تعجب ہے اس پر جو دنیا کو فانی جانتا ہے اور پھر اس کی رغبت رکھتا ہے۔  
●۔ تعجب ہے اس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے اور پھر جانے والی شے کا غم  
کرتا ہے۔

●۔ تعجب ہے اس پر جو حساب کو حق جانتا ہے اور پھر مال جمع کرتا ہے۔

- تعجب ہے اس پر جو دوزخ کو برحق جانتا ہے اور پھر گناہ کرتا ہے۔
- تعجب ہے اس پر جو جنت پر ایمان رکھتا ہے اور پھر دنیا کے ساتھ آرام پکڑتا ہے۔
- تعجب ہے اس پر جو شیطان کو دشمن جانتا ہے اور پھر اس کی اطاعت کرتا ہے۔
- تعجب ہے اس پر جو اللہ کو حق جانتا ہے اور پھر غیروں کا ذکر کرتا ہے اور ان پر بھروسہ رکھتا ہے۔

## شوقِ آخرت

انسان کے لیے کسی کام کا مشکل یا آسان ہونا ایک حد تک اس بات پر بھی منحصر ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لیے وہ اس کام کو کر رہا ہے اس کے لیے اس کے دل میں کشش کتنی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے زیر اثر صحابہ کرام کے دلوں میں اخروی زندگی کو کامیاب بنانے کی کشش اتنی زیادہ تھی کہ خدا کی مہربانی سے ان کے لیے مشکلات کے پہاڑ ریت کے ٹیلے بنتے چلے گئے۔ آخرت کی لگن نے انہیں وہ سیرت پی، بہادری، نظم و ضبط، فرض شناسی اور عزم و استقلال عطا فرما دیا کہ اگرچہ ان کا مقصد آخرت ہی تھا مگر دنیا میں بھی وہ ایسے روشن نام چھوڑ گئے جن کی مثالیں ملنی مشکل ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگِ خندق کے دن انصار بڑھ رہے تھے۔

نَحْنُ الَّذِينَ بَاتِعُوا حَسَدًا

عَلَى أَجْمَادِ مَا حِينَا أَبَدًا

یعنی ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے، اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

نے انہیں جواب دیا۔

اللَّهُمَّ لَاعِيشِ الْآخِرَةِ  
فَاكْرِمِ الْأَنْفُسَ وَالنُّفُوسَ

اے خدا عیش تو صرف آخرت کا عیش ہی ہے، پس تو انصار اور مہاجرین کی

عزت افزائی فرما۔ (بخاری)

حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں کہ (جنگ خندق کے دوران) رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم خندق کھود رہے تھے اور اپنے کندھوں

پر مٹی ڈھور رہے تھے۔ تو آپ نے فرمایا "اے خدا عیش تو آخرت کا عیش ہی ہے،

پس تو مہاجرین اور انصار کی عزت و تکریم فرما دے۔" (بخاری)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ (جنگ) احد کے دن ایک شخص نے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں (اس جنگ میں) شہید ہو جاؤں تو آپ کا

کیا خیال ہے کہ میں کہاں ہوں گا حضور نے فرمایا کہ جنت میں ہو گا۔ گے پس (یہ بات

سن کر وہ جنت کے اشتیاق میں ایسا از خود رفتہ ہوا کہ) جو کھجوریں اس کے ہاتھ میں

تھیں وہ پھینک دیں۔ پھر (جا کر) جہاد میں مشغول ہو گیا جہاں تک کہ شہادت حاصل

کر لی۔ (بخاری)

ابو عبد الرحمنؓ جلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بن عاص سے ایک شخص

نے سوال کیا اور کہا کہ کیا ہم نادار مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ میں نے سنا کہ حضرت عبد اللہؓ

نے اس سے کہا کہ کیا تمہاری بیوی ہے جس کے پاس تم رہتے ہو۔ اس نے کہا کہ جی ہاں۔

حضرت عبد اللہؓ نے سوال کیا کہ کیا تمہارا گھر ہے جس میں تم سکونت رکھتے تو اس نے کہا کہ جی ہاں۔

حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا کہ پھر تو تم مالداروں میں سے ہو یعنی جس کی بیوی بھی ہو اور

گھر بھی وہ نادار کیسے ہوا؟ وہ شخص کہنے لگا کہ میرا تو ایک خادم بھی ہے۔ حضرت عبد اللہؓ

نے فرمایا کہ پھر تو تم بادشاہوں میں سے ہو۔ ابو عبد الرحمنؓ (یہ بھی) بیان کرتے ہیں

کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس تین شخص آئے اور (اس وقت) میں بھی آپ کے پاس ہی تھا۔ ان (آنے والوں) نے کہا کہ اے ابو محمد خدا کی قسم ہمیں کوئی شے میسر نہیں۔ نہ خرچ نہ سواری نہ اسباب۔ حضرت عبداللہ نے ان سے فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم چاہو تو ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہیں وہ دیں گے جو خدا نے تمہارے لیے لکھا ہے، اور اگر چاہو تو ہم تمہارے معاملے کا ذکر بادشاہ سے کریں (تاکہ وہ تمہاری امداد کرے) اور اگر چاہو تو صبر کرو۔ کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نادر مہاجرین قیامت کے دن مالداروں سے چالیس برس پہلے جنت میں جائیں گے۔ یہ بات سن کر ان سوال کرنے والوں کے دل میں آخرت کی جزا کا ایسا اشتیاق پیدا ہوا کہ وہ کہنے لگے کہ پھر تو ہم صبر ہی کریں گے اور کچھ نہیں مانگیں گے۔

(مسلم)

ایک دن (حضور کے صحابی) حضرت عبدالرحمن بن عوف کی خدمت میں ان کا کھانا پیش کیا گیا تو وہ فرمانے لگے کہ حضرت مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے وہ شہید ہو گئے تو (مسلمانوں کی مفلسی کا وہ عالم تھا کہ) ان کے لیے ایک چادر کے سوا اور کوئی چیز نہ ملی جو ان کا کفن بنتی۔ اور حضرت حمزہؓ یا کوئی اور شخص جو مجھ سے بہتر تھے شہید ہوئے تو ایک چادر کے سوا اور کوئی چیز نہ ملی جو ان کا کفن بنتی (مگر اب ہم لوگ خوش حال ہو گئے ہیں) مجھے خوف آتا ہے کہ کہیں ایسے تو ہوں کہ ہماری نیکیوں کا اجر ہمیں جلدی سے ہماری دنیوی زندگی ہی میں دے دیا گیا ہے (اور آخرت میں ہم اس اجر سے محروم ہو جائیں گے) پھر آپ (آخرت کی محرومی کے خیال سے) رونے لگے۔ (بخاری)

یہ تھے وہ لوگ جنہیں صحیح معنوں میں آخرت کی بہتری کی تمنا تھی۔ وہ دنیوی دنیا کی حالت کے پیچھے دوڑتے اور اس کے ملنے پر اسے ذریعہ فخر بنانے کے بجائے



اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ ان کے آنت کے اجڑ میں کمی کا باعث نہ بن جائے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن حسینؑ کے ایک ساتھی سعید بن مرجانہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرماتے سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مسلمان شخص نے کسی مسلمان آدمی کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ آزاد کئے جانے والے کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے عضو کو دوزخ سے نجات دے گا۔ سعید بن مرجانہ کہتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سنی تو میں نے جا کر (امام زین العابدین) حضرت علی بن حسینؑ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے (یہ حدیث سن کر) اپنا ایک غلام آزاد کر دیا (جو اتنا قیمتی تھا کہ) ابن جعفر اس کی قیمت دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دے رہے تھے۔

(مسلم)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سب تو موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ (یہ بات) ایسے نہیں ہے (جیسے تم سمجھ رہی ہو) بلکہ (یون ہے کہ) مومن کو جب خدا کی رحمت اور اس کی خوشنودی اور اس کی جنت کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو وہ اس سے ملاقات کرنے کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ تو پھر خدا (بھی) اس سے ملاقات کرنے کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ اور کافر کو جب خدا کے عذاب اور اس کے غصے کی اطلاع دی جاتی ہے تو وہ اس سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرنے لگتا ہے تو (پھر)

خدا (بھی) اس سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں یا ہم جھگڑا کرتے ہو جبکہ اس کے اوپر ابر (بھی) نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ کیا تم سورج کو دیکھتے ہیں یا ہم جھگڑا کرتے ہو جب کہ اس کے اوپر ابر (بھی) نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے۔ اس کے بعد حضورؐ نے قیامت کے مزید احوال بیان فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کوئی جس کی پرستش کرتا تھا اس کے پیچھے ہوئے۔ پس ان میں سے بعض سورج کے پیچھے ہو لیں گے۔ اور ان میں سے بعض چاند کے پیچھے ہو لیں گے۔ اور ان میں سے بعض بتوں کے پیچھے ہو لیں گے۔ بس یہ امت باقی رہ جائے گی اور اس میں اس کے منافق بھی ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ (ایسی صورت میں جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے) ان کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے (ہم تمہیں نہیں جانتے) ہم تو اسی جگہ کھڑے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارا رب ہمارے پاس آجائے۔ جب ہمارا رب آجائے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ (ایسی شکل میں جسے وہ پہچانتے ہوں گے) ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ تو وہ جواب دیں گے (ہاں واقعی) تو ہمارا رب ہے۔ پھر خدا انہیں بلائے گا۔ اور جہنم کی پشت کے اوپر راستہ بنایا جائے گا اور انبیاء اپنی امتوں کے ساتھ اس پر سے گزریں گے اور میں (ان) انبیاء میں سے پہلا ہوں گا جو اپنی امت

کے ساتھ اس پر سے گزروں گا۔ اس دن انبیاء کے سوا کوئی بات نہیں کر سکے گا۔ اور انبیاء کا کلام اس دن ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ وَسَلِّمْ (اے خدا سلامتی عطا کر، سلامتی عطا کر) اور جہنم میں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنٹھڑے ہوں گے۔

(پھر حضور نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ) کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جی ہاں (آپ نے فرمایا کہ) پس وہ (آنٹھڑے) سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے۔ البتہ ان کی بڑائی کا اندازہ کسی کو نہیں سوائے خدا کے۔ پس وہ آنٹھڑے لوگوں کے اعمال کے مطابق انہیں اچکیں گے پس ان میں بعض ایسے ہوں گے جو اپنے اعمال کے باعث (جہنم میں گر کر) ہلاک ہو جائیں گے۔ اور ان میں بعض ایسے ہوں گے جو مارے زخموں کے، ٹھکڑے ٹھکڑے ہو جائیں گے۔ پھر اس کے بعد نجات پائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اللہ رحمت کرنے کا ارادہ کرے گا تو اہل دوزخ میں سے جن لوگوں کے بارے میں اس کا یہ ارادہ ہوگا ان کے بارے میں فرشتوں کو حکم دے گا کہ انہیں (دوزخ سے) نکال لیں (یعنی ان کو) جو اللہ کی عبادت کرتے رہے ہوں گے۔ پس فرشتے انہیں نکال لیں گے۔ اور انہیں سجدوں کے نشانات سے پہچانیں گے اور (حضور نے بتایا کہ) اللہ نے آگ پر یہ بات حرام کر دی کہ وہ سجدوں کے نشانات کو کھائے۔ پس وہ (لوگ جنہیں خدا دوزخ سے نکالے جانے کا حکم دے گا) دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ جہنم کی آگ انسان کے تمام جسم کو کھائے گی سوائے سجدوں کے نشانات کے۔ پس وہ آگ سے نکالے جائیں گے تو بالکل جل چکے ہوں گے۔ پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا تو (اس کے) رے جانے سے) وہ ایسے (تروتازہ) محل آئیں گے جیسے دانہ بیل کے لائے ہوئے کوڑے

کچھ سے ہیں اگتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے  
 سے فارغ ہو جائے گا۔ اور ایک شخص دوزخ اور جنت کے درمیان باقی رہ  
 جائے گا۔ اور وہ اہل دوزخ میں سے آخری شخص ہوگا جو جنت میں داخل  
 ہوگا۔ اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب میرے  
 چہرے کو دوزخ کی طرف سے پھیر دے۔ کیونکہ اس کی ہوائی مجھے زہر آلود کر  
 رہا ہے اور اس کے شعلے نے مجھے جلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تو ایسا  
 تو نہ کرے گا کہ اگر تیرے ساتھ یہ (احسان) کر دیا جائے تو اس کے علاوہ اور  
 کچھ مانگے۔ تو وہ کہے گا کہ نہیں، تیری بزرگی کی قسم (میں اور کچھ نہیں مانگوں گا)  
 پھر وہ اس بات پر (اللہ تعالیٰ سے جتنا کہ وہ چاہے گا پختہ عہد پیمان کرے  
 گا۔ تو خدا اس کے چہرے کو آگ کی طرف سے پھیر دے گا۔ پھر جب وہ جنت  
 کی طرف منہ کر لے گا تو اس کی تروتازگی کو دیکھے گا (پھر جتنی دیر خدا کو منظور ہوگا  
 خاموش رہے گا۔ پھر عرض کرے گا کہ اے میرے رب مجھے جنت کے دروازے  
 سے قریب کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ کیا تو نے قول دہرا نہیں کئے  
 تھے کہ جو کچھ مانگ چکا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں مانگے گا۔ وہ عرض کرے گا  
 کہ اے میرے پروردگار! مجھے تیری مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہیں  
 ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ اگر تجھے یہ (بھی)  
 دے دیا جائے تو اس کے علاوہ کسی اور شے کا سوال کر دے تو وہ عرض کرے  
 گا کہ نہیں تیری بزرگی کی قسم، میں اس کے سوا کسی اور شے کا سوال نہیں کروں گا۔  
 پھر جتنا خدا کو منظور ہوگا وہ اپنے رب کو قول دہرا دے گا تو اللہ اسے  
 جنت کے دروازے کے قریب کر دے گا۔ پھر جب وہ جنت کے دروازے  
 سے داخل ہوگا تو اس کی شگفتگی اور اس میں پانی جلنے والی تروتازگی اور سرور

کو دیکھے گا۔ تو پھر جتنی دیر خدا کو منظور ہو گا تا موش رہے گا۔ پھر عرض کرے  
 گا کہ اے میرے پروردگار مجھے جنت میں داخل کر دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا  
 کہ اے ابن آدم اتیری خرابی ہو تو کس قدر عہد شکن واقع ہوا ہے۔ کیا تو نے  
 یہ عہد و پیمانہ نہیں کیا تھا کہ جو کچھ تجھے دیا جا چکا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں  
 مانگے گا۔ تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار، مجھے اپنی مخلوق میں سب  
 سے زیادہ بدلہ نصیب نہ بنا۔ پس اللہ تعالیٰ اس (کی باتوں) پر ہنس پڑے گا۔  
 پھر اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا۔ پھر اس سے  
 فرمائے گا کہ تو آرزو کر۔ پس وہ آرزو میں بیان کرنے لگے گا۔ یہاں تک کہ اس  
 کی آرزو میں ختم ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ اور یہ چیز اور مانگ  
 اس کا پروردگار اسے یاد دلانے لگے گا کہ تو یہ بھی مانگ اور وہ بھی مانگ (یہاں  
 تک کہ اس کی تمام خواہشیں ختم ہو جائیں گی) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے یہ  
 (سب کچھ) بھی دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی۔ حضرت  
 ابو سعید خدریؓ نے (اس آخری بات کے بارے میں اس حدیث کے راوی  
 حضرت ابو ہریرہؓ سے) کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو (یہ) فرمایا تھا  
 کہ اللہ تعالیٰ (اس شخص سے) فرمائے گا کہ تجھے یہ (سب کچھ) بھی دیا جاتا  
 ہے اور اس سے دس گنا (اور بھی) حضرت ابو ہریرہؓ کہنے لگے کہ مجھے تو  
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان یاد ہے کہ تجھے یہ (سب کچھ) بھی  
 دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ  
 نے فرمایا کہ میں نے حضور کو یہی فرماتے سنا کہ تجھے یہ (سب کچھ) بھی دیا جاتا  
 ہے اور اس سے دس گنا (اور بھی) (بخاری)

دونوں بزرگوں کے اقوال سے کم از کم یہ ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ اس

شخص کی جتنی تمنا ہے ہوں گی ان سے دُگنا اُسے ضرور ملے گا۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس سے دس گنا بھی عطا فرمادے۔ حدیث کے شروع میں جو حضورؐ کا فرمان ہے کہ کیا تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں یا سورج کو دیکھنے میں باہم جھگڑا کرتے ہو اس کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ تَمَارُوت سے جس کا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ تم باہم جھگڑا کرتے رہو اور یہ بھی ہے کہ تم شک کرتے ہو۔ اگر اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم باہم جھگڑا کرتے ہو، یا باہم تو اس کی تشریح روایت باری تعالیٰ کی سہی کے ساتھ بیان ہو چکی ہے اور اگر اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم شک کرتے ہو، یا باہم تو وہ تو واضح ہی ہے کہ جیسے چاند اور سورج کو دیکھتے ہوئے تمہیں کوئی شک نہیں ہوتا کہ آیا یہ چاند اور سورج ہیں یا کوئی اور شے اسی طرح تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے کہ تمہیں اس بات میں کوئی شک نہیں ہوگا کہ یہ تمہارا پروردگار ہی ہے جس کا تم دیدار کر رہے ہو۔

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جنہیں پڑھ کر آخرت کے احوال اس طرح واضح ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں کہ دل تڑپ اٹھتا ہے کہ کاش کہ اس ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی زندگی میں کامیاب اور بامراد ہو جائیں۔ آمین

# انسانی زندگی پر عقیدہ آخرت کا اثر

انسانی فطرت ان چیزوں کو بے معنی سمجھتی ہے جن کا کوئی نتیجہ نہ نکلنا ہو۔ انسان کو برائیوں سے روکنے اور بھلائیوں پر آمادہ کرنے کے لیے یہ سروری قناکر سے دونوں کے نتائج سے واقف کیا جاتا ہے۔ عقیدہ آخرت اسی نیشے کو انجام دیتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو وضاحت سے بتاتا ہے کہ اگر وہ اپنی زندگی خدا کا فرمان بن کر گزارے گا تو آخر کار کن کیف سے دوپہ ہوگا اور اگر فرماں بردار بن کر گزارے گا تو اس کے لئے کیسے کیسے آنکھ کی ٹھنڈک کے سامان تیار ہیں۔

اس ایف میں عقیدہ آخرت کی جتنی وضاحت ہو چکی ہے اس کے بعد یہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر عقیدہ اچھی طرح دل نشین ہو جائے تو وہ انسانی سیرت پر اتنی گہرا اور دیررس اثر ڈالتا ہے کہ یہاں ان چند نمایاں صفات کی وضاحت کی جاتی ہے جو اس عقیدے کی سختگی کے باعث انسان میں لازماً

پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے پہلی صفت دیانتداری ہے۔

## دیانت داری

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی دیانت داری انسانی زندگی کو سکھی اور پرسکون بنانے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ معلم دیانت دار ہوں گے تو قوم کی علمی سطح بلند ہو جائے گی۔ ڈاکٹر دیانت دار ہوں گے تو معاشرے میں صحت اور تندرستی عالم ہوگی۔ تاجر دیانت دار ہوں گے تو عوام کی زندگی میں سہولتیں پیدا ہوں گی۔ اور تھوڑی آمدنیاں بھی بہتر معیار زندگی بہم پہنچا سکیں گی۔ انجینئر، ادورسیر، ماسٹری اور معمار دیانتدار ہوں گے تو عمارتیں مضبوط بنیں گی، ماسٹریں دیرپا ثابت ہوں گی، اور نہروں کی حالت درست رہے گی۔ جج اور جیٹریٹ دیانت دار ہوں گے تو انصاف خریدنا بہتیں پڑے گا کہ غریب صرف اس لیے اپنے حق سے محروم ہو جائیں کہ وہ انصاف کی قیمت نہیں ادا کر سکتے۔ افسر اور حکمران دیانت دار ہوں گے۔ تو ملک کا دفاع مضبوط، بندوبست عمدہ اور خوشحالی اور فائزہ البالی عام ہو جائے گی۔ اور بیرونی ممالک میں قائم کئے ہوئے سفارت خانے دیانت دار ہوں گے۔ تو اقوام عالم میں ملک کی شہرت عزت اور ساکھ بڑھے گی اور یہ شہرت، عزت اور ساکھ ملک کے بے شمار مسائل حل کرے گی۔ اور ان گنت مسائل کو پیدا ہونے سے روکے گی۔ غرض کہ غور کریں۔ تو پتہ چلتا ہے کہ معاشرے کے لیے انتہا دکھ صرف بد عملی اور بددیانتی کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔

عقیدہ آخرت کا مرکزی نکتہ چونکہ یہی ہے کہ ایک دن خدا کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اس لئے ممکن ہی نہیں کہ ایک شخص



صحیح معنوں میں آخرت کی جزا و سزا پر ایمان رکھتا ہو اور پھر دیانت دار نہ ہو چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ اسلام کی وہ مشہور اور محبوب ہستیاں جنہوں نے انتہائی دیانت داری سے کام لیتے ہوئے ایسے روشن نمونے چھوڑے جو آج تک بھولے بھٹکوں کو راہ پر لگانے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں سب کی سب آخرت کا بڑا سچا عقیدہ رکھتی تھیں۔

انہیں بابرکت ہستیوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی تھے۔ آپ نے اپنے نظام حکومت کی بنیاد ہی خوفِ آخرت پر رکھی تھی اور اگرچہ آپ نے صرف چند سال ہی حکومت کی مگر ان چند سالوں میں اس قدر اصلاحات ہوئیں کہ سلطنت دینی، اخلاقی اور مالی تینوں لحاظ سے کہیں سے کہیں جا پہنچی۔ آپ کے عہد میں آپ کی دیندارانہ اور عقلمندانہ پالیسی کے باعث مختلف علاقوں میں لوگ اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ جزیے کی آمدنی میں دفعتاً غیر معمولی کمی واقع ہو گئی۔ اس پر کسی علاقے کے عامل نے شکایت لکھ بھیجی کہ جزیے میں کمی آجانے کے باعث مجھے قرض لینا پڑا ہے۔ عامل کی اس شکایت پر حضرت عمر بن عبدالعزیز بہت ناراض ہوئے اور جواب دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ خراج کے محصل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

سلطان ناصر الدین محمود دہلی کے تحت کے مالک ہونے کے باوجود ذاتی اخراجات کے لئے خزانے سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے تھے۔ وہ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھ کر ریزی کرتے تھے۔ گھر میں کوئی کینز نہ تھی اور ہاک کو اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتا پڑتا تھا۔ ایک دن انہوں نے سلطان سے کہا کہ مجھے کھانا پکانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ میرے لیے ایک کینز خریدیں۔ سلطان نے جواب دیا کہ تمہاری خواہش تو ٹھیک ہے مگر کیا کہوں میں خزانے

کا مالک نہیں ہوں۔ اس کی مالک میری رعایا ہے۔ اس سے میں کچھ نہیں لے سکتا۔ اپنے ہاتھ سے جو کچھ کماتا ہوں اس میں اتنی گنجائش نہیں کہ لونڈی رکھ سکوں اس لیے صبر کرو۔ خدا صبر کا بدلہ ضرور دیتا ہے۔

شام کے ایک کو فتح کرنے کے بعد ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک ایلیچی قیصر کے پاس بھجا۔ آپ کی بیوی ام کلثوم نے اس ایلیچی کے ہاتھ عطر کی چند شینیاں، قیصر کی بیوی کے پاس تحفہ بھیجیں۔ قیصر کی بیوی نے شیشیوں سے عطر نکال لیا، اور ان کو قیمتی موتیوں سے بھر کر حضرت ام کلثوم کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو ان موتیوں میں سے تھوڑے سے اپنی بیوی کو دے کر باقی سرکاری خزانے میں جمع کرادیے اور فرمایا:

”بے شک عطر تمہارا ہی تھا۔ مگر جس آدمی کے ہاتھ تم نے عطر بھجا وہ سرکاری ایلیچی تھا اور اس کا خرچ بیت المال میں سے دیا گیا تھا۔ اس لیے ان موتیوں پر سرکار کا حق زیادہ اور تمہارا کم ہے۔“ دیا نتداری اس کو کہتے ہیں۔

ان بزرگ ہستیوں کا یہ طرز عمل صرف اس لیے تھا کہ وہ آخرت کی جواب دہی سے خائف رہتے تھے اور اس جواب دہی کے احساس کے باعث ان میں جو دیا نتداری پیدا ہوئی وہ ان کی رعایا کے لیے رحمت خداوندی ثابت ہوئی۔

امام ابو حنیفہؒ کپڑے کے تاجر تھے۔ انہوں نے اپنے ملازموں کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر کسی کپڑے میں کوئی نقص ہو تو گاہک کو پہلے وہ نقص دکھا دو۔ ایک دن کسی ملازم نے کوئی نقص والا کپڑا بیچ دیا۔ امام صاحب نے گاہک کو تلاش کر دیا۔ لیکن وہ نہ ملا۔ آخر انہوں نے کپڑے کی قیمت

کو خیرات کر دیا مگر خور استعمال نہ کیا۔

ابو غالب لغوی بہت بڑے مصنف تھے۔ انہوں نے فن لغت پر ایک کتاب لکھی جو بہت جلد چاروں طرف مشہور ہو گئی۔ مرسیہ کے طاقتور بادشاہ امیر مجاہد نے ابو غالب کو ایک ہزار اشرفیاں بھیجیں اور فرمائش کی کہ کتاب کے شروع میں یہ لکھ دیا جائے کہ یہ کتاب ابو غالب نے امیر مجاہد کے لئے لکھی۔ ابو غالب نے یہ اشرفیاں واپس بیچ دیں۔ اور کہلا بھیجا کہ میں نے یہ کتاب نہ تمہارے کہنے پر لکھی ہے نہ تمہارے واسطے لکھی ہے میں نے تو اسے لوگوں کے فائدے کے لیے لکھا ہے۔ میں ان اشرفیوں کی خاطر نہ اپنے آپ کو دھوکہ دینا چاہتا ہوں نہ لوگوں کو۔“

## شجاعت

مسلمانوں کی ابتدائی صدیوں کے حالات میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو موت اتنی ہی عزیز ہو گئی تھی جتنی دوسرے لوگوں کو زندگی۔ وہ تو اپنی آخرت کی بہتری کے خواہاں تھے۔ چنانچہ جس وقت وہ محسوس کرتے تھے کہ عاقبت کی بہتری اب موت کے منہ میں جانے میں ہے تو وہ بے تکلف موت کے منہ میں جا گھستے تھے ان کی شجاعت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بیسیوں نے سینکڑوں کے، سبکدوڑوں نے ہزاروں کے اور ہزاروں نے لاکھوں کے منہ پھیر بھر بیٹے۔ مسلمانوں اور ایرانیوں کی جنگوں کے دوران میں ایک دفعہ ایرانی، مسلمانوں کی پامردی سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ چنچتے ہوئے دوڑے کہ :

”دلیواں آمدند“ یعنی دیو آ گئے۔

وہ دیو تو نہیں تھے عام انسان ہی تھے مگر خدا پر مضبوط ایمان اور عقیدہ  
 آخرت کی سنجھکی نے ان میں وہ بے مثال شجاعت اور ثابت قدمی پیدا کر دی  
 تھی کہ دنیا پرست ایرانیوں کو وہ دیو ہی لگنے لگے تھے۔ ان خدا پرستوں کو  
 عین الیقین حاصل تھا کہ موت کا وقت اور موت کی جگہ دونوں معین ہو  
 چکے ہیں۔ اور اب ان میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ میدان جنگ میں جانے  
 سے موت اپنے معین وقت سے پہلے نہیں آجائے گی۔ اور گھر بیٹھے رہنے  
 سے اسے طالا نہیں جاسکتا۔ وہ اس آیت پر دل سے ایمان لائے ہوئے  
 تھے۔

(اے نبی ان سے کہہ دو) کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے  
 تو جن کے لیے قتل کیا جانا لکھا جا چکا ہوتا وہ (خود) اپنی قتل  
 گاہوں کی طرف نکل آتے " (آل عمران ۱۵۴)

چنانچہ یہ ایمان نہ انہیں بزدل ہونے دیتا تھا اور نہ بھاگنے کا خیال آنے  
 دیتا تھا۔ جس مجاہد کے دل میں پورا یقین ہو کہ شہادت کی موت کے بعد والی  
 زندگی اس سے پہلے کی زندگی سے بدرجہا زیادہ شیریں اور ارفع ہوگی وہ  
 موت کو زندگی پر کیوں نہ ترجیح دے گا۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی بے مثال  
 شجاعت کا یہی راز تھا۔

جنگ یرموک اسلامی تہذیب و تمدن کا بہت نمایاں مقام رکھتی ہے۔  
 ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف عیسائی رومی، رومی جنگ یرموک سے  
 پہلے کی شکستوں کے باعث بہت زیادہ جوش میں آئے ہوئے تھے۔  
 ان کی فوج کے تیس ہزار جنگجوؤں نے توفیح یا موت کی قسم کھا کر پاؤں میں بیڑیاں  
 پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال بھی نہ آئے۔ ہزاروں پادری اور شپہاوتوں

میں صلیبیں لیے آگے آگے تھے اور حضرت مسیح کا نام لے لے کر عیسائیوں کو جوش دلا رہے تھے۔ مگر یہ سارے ساز و سامان مسلمانوں کے جوش ایمانی اور بے پناہ شجاعت سے سب سے بے کار ثابت ہوئے۔ آخر کار عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے ایک لاکھ کے قریب عیسائی ہلاک ہوئے۔ حضرت عمرؓ کو جب اس نسخ کی خبر ملی تو خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدے میں گر گئے۔ اس مثالی دور میں فتوحات کا شکر ادا کرنے اور مسرت کا اظہار کرنے کا یہی اسلامی طریقہ تھا۔ لہو و لعاب اور فسق و فجور کے مظاہروں سے کامیابیوں کی خوشیاں ہمیں منائی جا یا کرتی تھیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے کی پہلی باقاعدہ جنگ جنگ بدر تھی۔ اس کے موقع پر ایک صحابی حضرت سعد بن خلیمہؓ کے والد نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم گھر پر رہو اور میں میدان جہاد میں نکلتا ہوں مگر سعد اصرار کرتے تھے کہ آپ گھر پر رہیں اور میں میدان جہاد کی طرف جاتا ہوں۔ آخر توبت قرعہ اندازی پر پہنچی۔ خدا کی قدرت کہ قرعہ بیٹے کے نام نکلا۔ حضرت سعدؓ نے باپ سے عرض کیا کہ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں اپنی جان پر آپ کو ترجیح دیتا لیکن یہ توجنت حاصل کرنے کا معاملہ ہے مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے گا۔

حضرت انسؓ بن نضر کسی مجبوری کے باعث جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ احد میں آپ کو شرکت کا موقع ملا۔ احد میں جب مسلمانوں کی ایک غلطی کے باعث فتح شکست سے بدل گئی، مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں حضورؐ زخمی ہو گئے اور منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی افواہ پھیلا دی تو حضرت انسؓ میدان جنگ میں یوں گویا ہوئے

وہ اللہ! میں مسلمانوں کی غلطی اور گنہگاری کی وجہ سے معافی چاہتا ہوں اور مشرکوں کے برے ارادوں سے اظہارِ نفرت کرتا ہوں۔  
یہ کہہ کر میدان جنگ میں کود پڑے۔ دوسری طرف سے حضرت سعد بن معاذ آ رہے تھے۔ حضرت انسؓ نے انہیں کہا:

”اے سعد! آؤ جنت میں چلیں۔ خدا کی قسم مجھے احد پہاڑ سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔“ یہ کہہ کر اس زور کا حملہ کیا کہ مشرکوں کی صفیں الٹ دیں اور داؤ شجاعت دینے والے شہید ہو گئے۔ لڑائی کے بعد جب میدان جنگ سے ان کا جسم اٹھایا گیا تو اس پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کے اتنی سے زیادہ زخم پائے گئے۔ ان پاکباز جوانیوں کی نگاہ میں موت بڑی شے ہی نہیں تھی۔ عربیہ کے کچھ کافروں نے ایک دفعہ یہ چال چلی کہ مسلمان بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہرمت میں حاضر ہوئے اور مطالبہ کیا کہ معلمین کی ایک جماعت، ہمارے ساتھ بھیجی جائے جو ہمیں ارکانِ اسلام سکھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سلف کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جنگل میں جا کر ان دغا بازوں نے مسلمانوں کی اس جماعت کو بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ ایک صحابی حرام بن سلمان کو جب پیچھے سے نیزہ گھونپا گیا تو انہوں نے گرتے ہوئے فرمایا: ”رب کعبہ کی قسم! میں نو کامیاب ہو گیا۔“

یہ شجاعت اور پامردی صرف صحت مند اور صحیح دماغی انسان رکھنے والوں ہی میں نہیں پائی جاتی تھی، بلکہ معذور لوگ بھی شوقِ شہادت میں تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت عمرو بن جموح کے پاؤں میں چوٹ آئی تھی جس کے باعث وہ ننگڑا کے چلتے تھے۔ اس معذوری کی بنا پر ان پر جو فرض نہیں تھا، چنانچہ جنگ

بدر میں بھی انہیں ساتھ نہیں لے جایا گیا تھا۔ جنگ احد کا زمانہ آیا تو پھر ان کے بیٹوں نے انہیں روکا۔ مگر ان کے سر میں تو شہادت کا سودا تھا۔ حضور کی خدمت میں عرس کیا: "یا رسول اللہ! یہ رٹ کے مجھے آپ کے ساتھ چلنے سے روک رہے ہیں۔ لیکن خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ میں اسی ٹکڑے پاؤں سے گھسٹا ہوا رست میں پہنچ جاؤں گا۔" جنگ احد میں جب مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو عمرو بن جموح نے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر سرکوں پر ایک از در دار حملہ کیا اور دونوں باپ بیٹوں نے شہادت حاصل کر لی۔

حضرت عمرو بن جموح نے میدان جہاد کا رخ کرتے ہوئے دعا کی تھی کہ فدا یا مجھے شہادت نصیب کر اور اب زندہ گھر واپس نہ لانا۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کا معاملہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے آپ نابینا تھے۔ آپہی وہ معزز ہستی ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید کے آخری پارے میں سورہ عیس میں کچھ آیات نازل ہوئیں۔

مسزوری کے باوجود حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے شوق شہادت کا یہ حال تھا کہ بار بار جنگوں میں شریک ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ:

”اور کچھ نہیں کر سکتا ہوں، تو کیا اسلامی فوج کا جھنڈا تھام کر کھڑا

بھی نہیں رہ سکتا ہوں۔ علم برے ہاتھ میں دے کر دونوں صفوں

کے درمیان مجھے کھڑا کر دو۔ انشاء اللہ مجھا گوں گا ہرگز نہیں۔“

چنانچہ خلافت راشدہ کے عہد کی مشہور جنگ جنگ قادسیہ میں ذرہ بکتر

پنے اسلامی فوج کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر کھڑے تھے کہ اسی حالت میں

شہادت نصیب ہوئی۔

## صبر و استقامت :

عقیدہ آخرت جنگی شجاعت کے علاوہ انسان کو وہ صبر و استقلال بھی عطا کرتا ہے جس سے وہ زندگی کے غام دکھوں، محرومیوں اور پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا ہے۔ خدا اور آخرت کے دن پر صحیح معنوں میں ایمان لانے والا انسان ان آزمائشوں اور آفتوں کو سکون اور دقار سے برداشت کرے گا جو ایک عام دنیا پرست انسان کو جزع فزع کرنے اور ہوش دہواں ٹھہرنے پر مجبور کر دیں۔

جذبیہ شوقِ آخرت رکھنے والے انسان کے لئے جان لیوا مصیبتیں اس لئے ہلکی ہو جاتی ہیں کہ ایک طرف تو اسے زندگی کے مختصر اور عارضی ہونے کا قلبی یقین ہوتا ہے۔ اور دوسرے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کا اجر کتنا عظیم رکھا ہے۔ جب زندگی بذاتِ خود انتہائی عارضی چیز ہے تو پھر اس کے اندر آنے والی مصیبت تو اس سے بھی زیادہ عارضی ہوتی ہے۔ اگر اس عارضی اور عارضی صورتِ حالات میں صبر اور برداشت سے کام لینے کا اجر اتنا عظیم ہو کہ خود اللہ تعالیٰ فرمائے کہ ”بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

تو پھر یہ کتنا نقصان کا سورا ہو گا کہ انسان جزع فزع اور شکوہ شکایت کر کے اتنے بڑے اعزاز سے اپنے آپ کو محروم کر لے۔

جذبیہ شوقِ آخرت رکھنے والے انسانوں کے دل و دماغ میں یہی حقیقت نقش ہو چکی ہوتی ہے اور پھر یہ نقش شدہ حقیقت انتہائی پریشان کن حالات میں بھی اہمیت بنانے رکھتی ہے۔



یہ ایک حقیقت ہے کہ بڑے سے بڑے دکھ کے دنت بھی اگر دل میں  
یہ خیال جاگزیں ہو کہ یہ تکلیف تو ابھی ختم ہوا چاہتی ہے تو پھر ہمت بڑھ جاتی  
ہے اور اسے برداشت کرنے کی طاقت بڑھ جاتی ہے اور پھر اگر ساتھ یہ یقین  
بھی پورا ہو کہ اس تکلیف کا انجام انتہائی نیریز ہوگا تو پھر تو اسے برداشت  
کرنا اور بھی زیادہ آسان ہو جاتا ہے ذیل کی آیت

صبر کی نصیحت

اور صابر کو حاصل ہونے والے اغزاز کو وضاحت سے بیان کرتی ہے۔

"ہم ضرور تمہیں خوف و خطر بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی

کمی میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے اور ان لوگوں کو خوشخبری

دے دیجئے جو مصیبت پر نہ پڑنے پر صبر کرتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ ہم خدا ہی کے ہیں اور خدا ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے

ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی اور اس

کی رحمت ہوگی۔ اور ایسے ہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔"

(بقرہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷)

لہذا عقیدہ آخرت پر صحیح معنوں میں ایمان منے والے اور اپنی آخرت کی

زندگی کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کا شوق رکھنے والے انسانوں نے زندگی کے

بڑے بڑے المناک دکھ بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر لئے۔

ایک دفعہ حضرت عروہ بن زبیر کا بیٹا ایک گھوڑے پر سوار ہوا، مگر

نے اسے سچ دیا اور وہ اس صدمے سے جان بحق ہو گیا۔ اس کے بعد ہی حضرت

عروہ کے پاؤں میں ایک نہایت زہریلا پھوڑا نکلا۔ اطباء نے کہا کہ پاؤں کاٹ

دینا چاہیے ورنہ زہر سارے جسم میں پھیل کر ہلاکت کا باعث بنے گا۔ حضرت

عروہ نے اپنا پاؤں کٹانے کے لئے آگے بڑھایا۔ سب پاؤں کٹنے لگا تو چند روز

سنھالنے کے لیے آئے حضرت عروہؓ نے پوچھا کہ ”تمہارا کیا کام ہے؟“  
انہوں نے جواب دیا کہ تکلیف کی شدت میں سیر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا

ہے اس لیے ہم آپ کو سنھالنے کے لئے آئے ہیں؟“

حضرت عروہؓ نے کہا، انشاء اللہ مجھے تمہاری امداد کی ضرورت نہیں ہوگی“  
طبیعوں نے اذاردوں سے آپ کا پاؤں کاٹا، آپ نہایت استقلال سے  
بیٹھے رہے اور زبان تسبیح و تہلیل میں مشغول رہی۔ جب خون بند کرنے کے لیے  
زخم کو داغایا تو درد کی شدت سے بے ہوش ہو گئے۔ سب ہوش میں آئے تو  
کناہرا پاؤں ننگا کر دیکھا اور الٹ بیلٹ کر اسے فرمایا، ”اس فات کی قسم جس نے  
تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا، اسے خوب معلوم ہے کہ میں تیرے ساتھ کسی حرام راستے  
پر گامزن نہیں ہوا۔“

بیٹے کے انتقال اور پاؤں کے کٹنے پر بھی حضرت عروہؓ صبر و شکر کرتے

اور کہتے :

”اللہ تبارک و تعالیٰ ہے کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی لیا  
اور تین باقی رکھے اور چار بیٹیوں میں سے ایک ہی لیا اور تین باقی رکھے۔ اگر تو  
نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے۔ اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو  
بہت دن عاقبت میں بھی رکھ چکا ہے۔“

لاہور کی جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسن صاحب کی ٹانگ میں کوئی  
ایسی تکلیف ہو گئی کہ ٹانگ کاٹنے کا فیصلہ ہوا۔ آپ نے بھی اپنی ٹانگ بوش  
میں کٹوائی۔ آپریشن کرنے والے سرجن بھی پریشان تھے کہ بوش میں اتنا بڑا آپریشن  
کیسے ہو گا۔ مگر مفتی صاحب نے سی بھی نہ کی۔ اس حیرت انگیز سبر و ضبط کی  
وجہ انہوں نے خور بنیاد کہا۔ اس تکلیف کے وقت وہ اس تکلیف کے ابتداء کو اس

طرح اپنے سامنے مجسم کئے رہے کہ درد کے باعث بے قرار ہونے کی توبت  
اسی نہ آئی۔

حضرت ابو طلحہؓ کا لڑکا بیمار تھا وہ بچے کو اسی حال میں چھوڑ کر اپنے کام پر چلے  
گئے۔ ان کے جانے کے بعد بچے کا انتقال ہو گیا۔ ان کی اہلیہ محترمہ نے لوگوں سے  
کہہ دیا کہ ابو طلحہؓ کو بچے کی وفات کی اطلاع نہ ہونے پائے۔ تمام کو وہ اپنے کام  
سے واپس آئے تو بچے کا حال پوچھا، بولیں کہ پہلے سے زیادہ سکون میں ہے یہ کہہ  
کر ابو طلحہؓ کے لئے کھانا لائیں۔ وہ اطمینان سے کھانا کھا کر لیٹ گئے بعد میں  
نیک بیوی نے نہایت حکیمانہ انداز میں پوچھا کہ اگر کوئی کسی کو کوئی پتیرا دھار دے  
دے اور پھر واپس ملے تو کیا اس کو یہ حق حاصل ہے کہ چیز کو روک لے۔ ابو طلحہؓ  
نے کہا: بھلا یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ صابرہ بیوی نے کہا کہ اچھا پھر اپنے  
بیٹے پر بھی صبر کر لیجئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بی بی کے اس بے مثال صبر کی اطلاع ہوئی  
تو ان دونوں میاں بیوی کے حق میں دعا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ محترمہ حضرت اسماءؓ، سخت بیمار پڑیں۔ آپ  
ان کی عبادت کے لیے آئے۔ ماں نے بیٹے سے کہا: بیٹے دل میں یہ آرزو ہے  
کہ دو باتوں میں سے ایک جب تک نہ دیکھ لوں خدا مجھے زندہ رکھے یا تو تو میدان  
جنگ میں شہید ہو جائے اور میں تیری شہادت کی خبر سن کر صبر کی سعادت حاصل  
کر دوں یا تو فتح پائے اور میں تمہیں فاتح دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر دوں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے والدہ کی زندگی ہی  
میں شہادت حاصل کر لی۔ شہادت کے بعد حجاج نے ان کی نعش کو سولی پر  
ٹکا دیا۔ حضرت اسماءؓ اس وقت انتہائی ضعیف ہو چکی تھیں۔ مگر وہاں تشریف

لائیں جہاں ان کے جگر گوشے کی لعش لٹک رہی تھی اور بڑے صبر اور وقار سے گویا ہوئیں۔

”کیا اس سوار کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ گھوڑے کی پشت سے نیچے

اترے۔“

غم اور تکلیف کے وقت اظہارِ غم ایک فطری امر ہے لہذا آنسوؤں پر کوئی پابندی نہیں البتہ اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ غم کی شدت کے باعث گہمان پھاڑنا، گالوں پر ظمانے مارتا۔ سر اور سینہ پیٹنا نوحہ کرنا اور خدا اور تقدیر کے شکوے کرنا یہ سب ایسی باتیں ہیں جو ایک مومن کے شایان شان نہیں۔

واضح رہے کہ سکون و وقار کے ساتھ اظہارِ غم کر لینا اور آلتو بہا تلے صبری نہیں بلکہ غم و الم کے عالم میں زبان اور جسم کے ساتھ جو فضول اور شکوہ آمیز حرکات کی جاتی ہیں وہ بے صبری ہے۔ چنانچہ جذبہ شوقِ آخرت رکھنے والے انسان بے حس اور شکل نہیں ہوجاتے کہ ان پر اپنے ذاتی اور دوسرے انسانوں کے دکھوں کا کوئی اثر ہی نہ ہو وہ بتقاضائے بشریت رنج و غم سے لازماً متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن نہ ان کے غم میں مبالغہ اور غلو ہوتا ہے اور نہ وہ اظہارِ ماتم کے وہ طریقے اختیار کرتے ہیں جو ایک صابر و شاکر مومن کی شان سے گہے ہوئے ہوں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو بیان ہو چکی کہ وہ دانا لوگ خوب جانتے ہیں کہ دکھ ایک عارضی شے ہے اور صبر کا پھل بڑا ہی شیریں ہے۔

سیرِ حتمی اور عالی ظرفی :

سپر و تفریح کرنے والوں کی ایک جماعت سوات کی دادی میں پھری تھی

جماعت کا ہر انسان سوات کے حسین مناظر سے بے حد متاثر ہو رہا تھا سوائے ایک انسان کے، یہ نہیں کہ اس ایک انسان کو وہ پرکشش مناظر پرکشش لگ رہے تھے۔ وہ یقیناً ان کی خوب صورتی کو محسوس کر رہا تھا۔ مگر دوسرے لوگوں کی طرح اسے وہ مناظر "حد سے زیادہ" خوب صورت نہیں لگ رہے تھے یہی نہیں بلکہ جب دوسرے انسان بے قرار ہو ہو کر واہ واہ کہتے اور ایک دوسرے کو پکار پکار کر کسی گتے پانی یا لہلہاتے مرغزار کی طرف توجہ دلاتے جیسے دوسرے بہر حال دیکھ ہی رہے ہوتے تھے تو وہ انسان جی ہی جی میں حیران ہو جاتا کہ مناظر تو کوئی شک نہیں کہ پرکشش ہیں مگر اتنا آپے سے باہر ہونے والی بات آخر کون سی ہے۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ غریب اس بھرے مجمع میں اپنے آپ کو بڑا ہی اجنبی سا محسوس کرنے لگا۔ اُسے شرم سی آنے لگی کہ ساتھی کہیں گے کہ وہ ایسا کور فون ہے کہ فطرت کی رعنائیاں اس پر اثر انداز نہیں ہو رہیں۔ وہ دوسروں کے ساتھ ہم نوائی کرنے کے لیے ادب پر ہی دل سے اسی طرح واہ واہ کرنے لگا جس طرح دوسرے کر رہے تھے مگر یہ واہ واہ زیادہ تر زبان ہی سے نکل رہی تھی۔ دل سے نہیں نکل رہی تھی۔

اسے خود اپنے آپ پر تعجب آ رہا تھا کہ آخر وہ ساتھیوں کے بے تابانہ جذبہ تعریف کا حصے دار کیوں نہیں بن رہا۔ مگر گھر واپس پہنچنے سے پہلے پہلے بلگرام کی سمجھ نہیں آگیا۔ وہ وادی سوات کے دلفریب مناظر سے بہت زیادہ اس لیے متاثر نہ ہو سکا کہ وہ وادی کشمیر میں رہ چکا تھا اور وہاں کے مناظر دیکھ چکا تھا۔ بس صرف یہی وجہ تھی کہ سوات کے مناظر کی خوب صورتی نے اس پر کوئی غیر معمولی اثر نہ ڈالا تھا۔

جو آنکھ نسبتاً رفع مناظر دیکھ چکی ہو وہ پھر ان مناظر سے جو اول الذکر سے کم درجے کے ہوں آخر اتنا زیادہ متاثر کیسے ہو سکتی ہے کہ آپے سے باہر ہوتی چلی جائے۔

اسی سے ان لوگوں کی ذہنیت کا تصور کر لیجئے جو عقیدہ آخرت پر دل سے ایمان لائے ہوتے ہیں۔ ان کی تصور کی آنکھ نے جو ابدی سکون والی حسین سبز میں دیکھی ہوتی ہے اس کے مقابلے میں وہ ان حقیر اور گھٹیا ساڑوسا مان سے کیسے متاثر ہو سکتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ بے انتہا گھٹیا ہیں بلکہ بہت جلد ختم ہو جانے والے بھی ہیں۔

یہ رشوت نتائیاں، یہ ناجائز سفارشاتیں، یہ کبتہ پر دریاں اور جنبہ دریاں یہ قمار بازیاں، یہ وارثوں کا مورثوں کو ہلاک کر دینا، یہ سرپرستوں کا اپنے زیر سرپرستی صاحب جائیداد تلمیموں کو قتل کرنا، یہ سرکاری افسروں کا قومی خزانے کو بے ستھاشا لوٹنا، یہ قومی غداروں کا پورے پورے ملک کو بیچ ڈالنا، یہ جنہن، یہ چوریاں، یہ ڈلکے، یہ دھوکا فریب، یہ سب کچھ اور ان سے پیدا ہونے والے ان گنت دکھ جنہوں نے انسانیت کو زخموں سے چور چور کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ آخر اسی لیے تو ہوتا ہے کہ انسان کی آنکھ ندیدی ہو گئی ہے اور اس نے دنیا کی گھٹیا چیزوں ہی کو امانوں سمجھ لیا ہے۔

اگر اس کی تصور کی آنکھ کے سامنے ان چیزوں سے ارفع چیزیں ہوتیں تو وہ ان گھٹیا چیزوں کی حرص میں گرفتار ہو کر اپنی عاقبت اور دوسروں کی زندگی کو خراب نہ کرتا۔

ایک تاریخی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ کسی حکمران نے ایک بڑا دربار سجایا اور اس میں بڑی بڑی قیمتی اشیاء رکھ دیں۔ چیزوں کی ترتیب یہ تھی کہ

نسبتاً کم قیمتی چیزیں دروازے کے پاس بھینیں۔ پھر جیسے جیسے آگے بڑھا جاتا، زیادہ سے زیادہ قیمتی چیزیں آتی جاتیں۔ دربار کے آخر میں بادشاہ خود تخت بچھا کر بیٹھ گیا۔ اور لوگوں میں عام اعلان کر دیا گیا کہ جس کا جی چاہے آئے اور اس دربار کے اندر جو کچھ ہے اس میں سے جو چاہے لے۔

لوگ یہ اعلان سن کر ٹوٹ پڑے اور اشیاء اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے۔ یہاں ہر شخص کا ظرف ظاہر ہونے لگا۔ جن لوگوں نے زیادہ اچھی قسم کے سازو سامان دیکھے ہی تھے وہ تو دروازے کے پاس والی چیزوں ہی سے ایسے متاثر ہوئے کہ وہی اٹھانے لگے۔ ان کے لیے وہی بڑی غیر معمولی بھینیں انہوں نے آگے بڑھ کر دیکھنے کی تکلیف ہی گوارا نہ کی کہ شاید آگے بہتر قسم کی اور زیادہ قیمتی چیزیں ہوں۔ جو لوگ زیادہ اعلیٰ ذوق رکھتے تھے وہ کچھ اور آگے بڑھے اور بہتر قسم کی چیزیں اٹھائیں۔ غرض کہ جس نے جتنے زیادہ بہتر قسم کے سازو سامان دیکھے ہوئے تھے وہ اتنا زیادہ آگے بڑھا اور زیادہ بہتر قسم کی چیزیں حاصل کیں۔ تاہم دربار کے آخر تک کوئی نہ پہنچا حالانکہ قیمتی ترین چیزیں وہاں رکھیں بھینیں۔

اس دوران میں ایک بے نیاز قسم کی بڑھیا لاٹھی ٹیکتی آگئی اور دربار کے اندر ادھر ادھر دیکھنے ہوئے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ دونوں طرف نگاہ ڈالتی چلی جا رہی تھی۔ قیمتی سے قیمتی چیز بڑی تھی مگر اس کی نگاہوں سے ایسے عسوس ہوتا تھا کہ گویا وہ حقیر سنگ ریزوں کو دیکھتی جا رہی ہے۔ وہ بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہاں پہنچ گئی جہاں تک اس سے پہلے کوئی عمدہ سے عمدہ ذوق والا اور زیادہ سے زیادہ حیثیت والا بھی نہیں پہنچا تھا۔

لوگ حیران تھے کہ یہ بڑھیا آخر کیا چاہتی ہے۔ کیا ان اموال اشیاء میں سے

کوئی بھی اسے دل کس نہیں لگ رہی۔ بڑھیا وہاں پہنچ گئی جہاں بادشاہ خود  
تحت پر بیٹھا تھا اور اسے مخاطب کر کے کہا:

”تم نے یہی اعلان کیا ہے تاکہ اس دربار کی جو چیز جو شخص چاہے  
لے۔“

بادشاہ نے اقرار کیا کہ ہاں ایسا ہی اعلان کیا گیا ہے۔

بڑھیا نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

”مجھے تو صرف تمہاری ضرورت ہے“

اس حکایت کے متعلق یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ کہاں تک تاریخی ہے

تاہم جو یہاں بیان کرتا مقصود ہے وہ صرف اس کا اخلاقی سبق ہے۔

جس حکمران نے یہ دربار لگایا تھا، ظاہر ہے جو اس نے عوام کو دینے

کے لیے یہاں رکھی تھیں وہ اس کے اصلی خزانے سے بہت کم تھیں جس دانا غورت

نے خود اس کے اپنے آپ ہی کو مانگ لیا تھا وہ خود بخود ہی ان سب خزانوں

کی مالک بن گئی جو اس حکمران کے پاس تھے۔ اور اس کے اصلی خزانوں کے مقابلے

میں وہ چیزیں تو کوئی حیثیت ہی نہ رکھتی تھیں۔ جو اس نے عوام کے آگے پھیلا

رکھی تھیں۔

لہذا جو شخص واقعی آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور مابعد الموت کی زندگی

اس کے تصور کی آنکھوں کے سامنے واضح ہو وہ لازماً سیرِ حشم ہوگا۔ اور یہ سیر

چشمی اسے لازماً عالی ظرف بھی بنا دے گی۔ ان سیرِ حشم، عالی ظرف انسانوں

سے کسی طرح بھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ناپائیدار، ادنیٰ اور کانٹوں بھری

خوشیاں حاصل کرنے کے لئے اپنے دین اور اپنی اسلامی غیرت کا سودا کر

لیں گے۔ نہ ان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ دنیا پر دست ”بڑے لوگوں“ کے



آگے عاجزی دکھائیں گے یا سر جھکائیں گے۔ اور نہ ان سے یہ ہی توقع ہے کہ اگر خدا انہیں دنیاوی دولت سے نوازے تو وہ پھول کہ کیا ہو جائیں اور تکبر کا شکار ہوں۔ عقیدہ آخرت انسان میں جو بے نیازی اور استغنا پیدا کر دیتا ہے اس کی وضاحت ذیل کے واقعے سے خوب ہوتی ہے۔

حضرت صفوان بن سلیم ایک ممتاز تابعی تھے انہوں نے سلیمان بن عبد الملک کا زمانہ پایا۔ ایک دفعہ سلیمان بن عبد الملک مدینے آیا۔ ان دنوں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ مدینے کے گورنر تھے۔ خلیفہ حضرت عمرؓ کے ہمراہ مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ نماز کے بعد مقصورہ کا دروازہ کھولا تو وہاں حضرت صفوان بن سلیم نظر آئے۔ سلیمان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا "یہ کون بزرگ ہیں؟ میں نے ان کے بشرے سے بہتر آثار نہیں دیکھے"۔ انہوں نے بتایا کہ صفوان بن سلیم ہیں یہ بن کر سلیمان نے پانچ سو دینار کی بھیلی غلام کے ہاتھ ان کی خدمت میں بھیجی۔ جب غلام نے جا کر بھیلی پیش کی تو حضرت صفوان نے کہا۔

"میاں تمہیں دھوکا ہوا ہے کسی اور کے پاس بھیجی ہوگی۔"

غلام نے پوچھا کہ کیا آپ صفوان نہیں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہیں ہی صفوان ہوں مگر تم ذرا جا کر دوبارہ پوچھ آؤ۔"

جو نہی غلام پوچھنے گیا۔ حضرت صفوان نے جوتا اٹھایا اور مسجد سے نکل گئے اور پھر جتنی دیر سلیمان بن عبد الملک مسجد میں رہا وہ مسجد میں نہ آئے۔ واضح رہے کہ سلیمان بن عبد الملک کی اقلیم اس وقت تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔

عاقبت کی جزا و سزا پر ایمان لانے والوں کے لئے دنیاوی دولتوں کے مالک سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے۔

حضرت سعید بن مسیب نے کئی اموی خلفاء کا زمانہ پایا مگر ان کے آگے

سر تسلیم خم کرنا تو درکنار انہوں نے کبھی انہیں لائق التفات بھی نہ سمجھا۔  
ایک دفعہ خلیفہ عبد الملک مدینے میں آیا اور حضرت سعید بن مسیب کو  
لٹنا چاہا۔ اس نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر آدمی بھیجا کہ انہیں بلا لے  
وہ اس وقت مسجد میں مصروف عبادت تھے۔ پیغامبر نے جا کر کہا کہ :  
” امیر المؤمنین آپ سے لٹنا چاہتے ہیں۔“

حضرت سعید نے کہا کہ امیر المؤمنین کو نہ مجھ سے کوئی ضرورت ہے اور نہ مجھ  
ان سے۔ اگر ان کی کوئی ضرورت ہو بھی تو وہ پوری نہیں ہو سکتی۔

عبد الملک نے یہ جواب سن کر دوبارہ آدمی بھیجا مگر حضرت سعید نے دوبارہ  
وہی جواب دیا۔ پیغام بر نے کہا : ” امیر المؤمنین بار بار بھیجتے ہیں اور تم اس طرح  
کا خشک جواب دیتے ہو۔ اگر انہوں نے منع نہ کر دیا ہوتا تو میں تمہارا سر کاٹ  
لیتا۔“

حضرت سعید نے بے پروائی سے کہا کہ : اگر امیر المؤمنین مجھے کوئی عطیہ  
دینا چاہتے ہیں تو وہ ہیں تمہیں بخشا ہوں۔ جا کر حاصل کر لو اور اگر ان کا کچھ اور  
ارادہ ہے تو خدا کی قسم میں اپنی نشست اس وقت تک نہیں بدلوں گا  
جب تک وہ جو کرنا چاہتے ہیں کرتے گزریں۔  
آخر عبد الملک مایوس ہو کر چلا گیا۔

اسی خلیفہ عبد الملک کا واقعہ کہ ایک دفعہ وہ مدینے آیا، تو رات  
کو اسے نیند نہ آئی۔ اس نے دربان کو حکم دیا کہ مسجد میں جا کر دیکھو، اگر مدینے  
کا کوئی قصہ خواں مل جائے تو اسے لے آؤ کہ ذرا جی بہلے۔ وہ مسجد میں آیا تو  
حضرت سعید بن مسیب عبادت کر رہے تھے۔ اس نے انہیں سے کہا کہ  
امیر المؤمنین کی آنکھ کھل گئی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ کسی قصہ خواں کو

لے آؤں اس لیے تم میرے ساتھ چلو۔

حضرت سعید نے پوچھا کہ مجھے بلوایا ہے کیا؟

دریان نے کہا: "نہیں انہوں نے تو قصہ خواں کو بلوایا تھا۔ میں نے دیکھا

کہ تم جاگ رہے ہو اس لیے تمہیں کو لیے چلتا ہوں۔"

حضرت سعید نے کہا: "امیر المومنین سے جا کہ کہہ دو کہ میں ان کا قصہ خواں

ہوں۔"

جذبہ شوق آخرت رکھنے والی ہستیوں کو جب دنیاوی جاہ و جلال حاصل

ہو جائے تو وہ انہیں کسی قسم کے تکبر اور فخر میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ

اس جاہ و جلال کو غیر معمولی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ ہاں بقا ضائے بشریت

بڑائی کا خیال آہی جائے تو بھی وہ فوراً دل کی تادیب کو لیتے ہیں اور اسے

دوبارہ اپنی اصلی اعلیٰ ظرفی کی طرف واپس لے آتے ہیں۔

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے چڑھے اور فرمایا:

"ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خاکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اور وہ

اس کے عوض میں مجھے مٹھی بھر کھجوریں دے دیا کرتی تھیں۔"

پس صبر اتنا کہا، اور پھر منبر سے نیچے اتر آئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ

امیر المومنین نے ایسا کیوں کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے آخر کہہ ہی

دیا کہ "امیر المومنین اس طرح تو آپ نے اپنی تقیص کی اور خود کو لوگوں کی

نظروں میں حقیر کیا۔"

حضرت عمر نے فرمایا: "نہیں بلکہ قصہ یہ ہے کہ تنہائی میں میرے دل

نے کہا کہ تم امیر المومنین ہو۔ تم سے افضل کون ہو سکتا ہے۔ اس لیے میں نے

چاہا کہ اسے اس کی حقیقت بتا دوں تاکہ اس کو پھر اس قسم کا خیال بھی نہ آئے۔"

غالباً کم لوگوں ہی کو معلوم ہوگا کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ ایک  
کہ وڑپتی رئیس تھے۔ مگر دنیا انہیں کہ وڑپتی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اللہ کے  
ایک عابد و زاہد اور صالح بندے ہی کی حیثیت سے جانتی ہے۔

### عفو و درگزر

احساسِ آخرت سے بیدار ہونے والی عالی ظرفی کا ایک نمایاں منظر عفو و  
درگزر بھی ہے جن عقل مندوں کو معلوم ہے کہ انتقام کی قدرت موجود ہوتے  
ہوئے بھی جو شخص انتقام نہ لے اور معاف کر دے، خدا تعالیٰ اس کے اپنے  
گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ اپنے گناہ معاف کروانے کو اس پر ترجیح دیتے  
ہیں کہ دل سے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کریں۔

۶؎ میں جب واقعہ انکس پیش آیا اور کچھ مفسدہ پردازوں  
نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ناشائستہ باتیں کیں تو حضرت ابوبکرؓ کے ایک  
عزیز مسطح بھی اس مفسدہ پردازی کا شکار ہو گئے۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ ان  
ان کی کفالت کیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت عائشہؓ  
کی براءت ظاہر فرمادی تو حضرت ابوبکرؓ نے مسطح کی کفالت بند کر دی اور قسم  
کھالی کہ اب ادا نہیں دوں گا۔ کیونکہ مسطح کے طرزِ عمل سے حضرت کو قدرتی  
طور پر رنج پہنچا تھا۔ مگر بعد میں آیت نازل ہوئی۔

”تم ہیں جو لوگ بزرگی اور مقدرت رکھتے ہیں وہ اپنے رشتہ داروں  
مسیکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مدد نہ دینے  
کی قسم نہ کھائیں۔ انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا  
تم نہیں چاہتے کہ اللہ بھی تمہیں بخش دے اور اللہ عفو و رحیم

ہے۔“ (سورہ نور ۲۲)

اسے سن کر حضرت ابوبکرؓ بول اٹھے کہ خدا کی قسم میں تو چاہتا ہوں کہ خدا

مجھے بخش دے اور حضرت مسطح کا وظیفہ دوبارہ جاری کر دیا۔

## جذبہ تیرات :

عقیدہ آخرت کی پختگی کے باعث بہاں انسان کے دل سے دنیاوی سازو سامان، دولت و ثروت اور جاہ و جلال کی حرص ختم ہوتی ہے وہاں قدرتی طور پر راہ خدا میں خرچ کرنے کا جذبہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

الذریعہ العظیمین نے قرآن کے ذریعے اور رسول مقبولؐ نے خود اپنے فرماؤں کے ذریعے مسلمانوں کو یہ حقیقت وضاحت سے سمجھا دی تھی کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتا ہے وہ دینے والے کے لئے قطعی طور پر محفوظ ہو جاتا ہے اور اسے خدا کئی گنا کر کے آخرت میں واپس کرے گا۔ اور جو مال انسان سببیت سببیت کر رکھتا ہے اور محض جمع کرنے کی حرص کی خاطر جمع کرتا ہے وہ تو دارتوں کے کام آتا ہے اور خود مالدار کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

حضرت علی مرتضیٰؑ کے ایک قول میں بھی یہی مضمون ملتا ہے۔ آپ

فرماتے ہیں :

”تیرے مال میں سے تیرہ حصہ تو صرف اتنا ہی ہے جو تو نے آخرت

کے لئے پہلے بھج دیا اور جسے دنیا میں چھوڑ دیا وہ تیرے

دارتوں کا مال ہے۔“

خیرات کی ایک شکل قرضدار کا قرضہ معاف کرنا بھی ہے حضرت ابو قتادہؓ

کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جسے یہ بات بھلی لگے کہ خدا اسے روز قیامت

کے جانکاہ غموں سے نجات دے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست مقروض کو ہلکتے

دے یا قرضہ اسے معاف کر دے۔ (مسلم)

حضرت علی مرتضیٰؑ کا قول ہے۔ اعمال کے میزان کو خیرات کے وزن سے بھاری کر دو۔

آخرت کی بہتری کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت معلوم ہونے کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں راہ خدا میں خرچ کرنے کا ذوق و شوق بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔ اور چونکہ یہ جو کچھ خرچ کیا جاتا تھا وہ غریب انسانوں ہی پر صرف ہوتا تھا اس لیے آخرت کی بھلائی کا جذبہ انسانیت کی دیاوی بھلائی کا بھی برابر سبب بنتا رہتا تھا۔

۹۔ میں قیصرِ روم نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی خاطر افواہ اڑادی کہ وہ عرب پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ مقابلے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کیا گیا تھا۔ گرمی کا موسم تھا اور سفر بہت لمبا تھا۔ پھر اتنے بڑے لشکر کے لیے بہت تیاریوں کی ضرورت تھی۔ رسول اکرم صلعم نے صحابہ کو خدا کی راہ میں مال صرف کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس موقع پر مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر چند سے دیئے مگر حضرت ابوبکرؓ نے ایک ایسی مثال قائم فرمائی جو بے مثال تھی۔ آپ اپنے گھر کا تمام اثاثہ اٹھا کر لے آئے۔ اور جب حضورؐ نے پوچھا: کہ ابوبکر اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ "ان کے لیے اللہ اور رسولؐ کافی ہیں۔"

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینے آئے تو آبادی بڑھ جانے کے باعث پانی کی بہت تکلیف ہو گئی۔ شہر میں ایک ہی کنواں بیرومہ تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا اور اس کا مالک ایک یہودی تھا۔ وہ پانی فروخت کیا کرتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس یہودی سے بات چیت کی کہ کسی طرح وہ کنواں بیچنے پر آمادہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ میں صرف نصف کنواں فروخت کروں گا۔ ایک دن تمہاری باری ہوگی اور دوسرے دن میری اور اس کے لئے میں

بارہ ہزار درہم قیمت لوں گا۔

حضرت عثمانؓ نے یہی شرط منظور کر لی اور نصف کھواں خرید لیا گیا۔ اب

مسلمان یوں کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کی باری والے دن میں اتنا پانی بھر لیا

کتنے تھے کہ دو دن کے لیے کافی ہو۔ یہودی نے جب یہ دیکھا تو پھر آٹھ ہزار درہم

لے کر باقی نصف بھی حضرت عثمانؓ ہی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس طرح حضرت عثمانؓ نے بیس

ہزار درہم خرچ کر کے بندگانِ خدا کی سیرابی کا بندوبست کر دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک دن کسی عزیز نے بہت سا مال بھیجا

آپ اس دن روزے سے تھیں۔ افطار سے پہلے پہلے سارا مال مستحقین میں

تقسیم کر دیا۔ افطار کے وقت کنیز نے توجہ دلائی کہ اپنی افطار کے لیے تو کچھ

رکھ لیا ہوتا۔ فرماتے لگیں: اس وقت کیوں نہ یاد دلایا، اب ملامت نہ کرو۔

حضرت صفوان بن سلیم زہری ایک دن مسجد میں سے نکلے۔ موسم سخت

سردی کا تھا مسجد کے باہر ایک آدمی کو دیکھا کہ تنگے بدن سردی میں کھٹھڑ

رہا ہے۔ اسی وقت اپنے کپڑے اتار کر اسے دے دیئے۔

حضرت عروہؓ بن زبیر کے کھجوروں کے باغات تھے۔ جب کھجوریں پک

کر تیار ہو جاتیں تو باغ کی دیوار توڑوا دیتے اور عام اعلان کر دیتے کہ لوگ آئیں

اور کھائیں اور باندھ باندھ کر ساتھ لے جائیں۔

حضرت امام زین العابدین علیؓ، جو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما کے پوتے تھے جب

فوت ہوئے اور آپ کو غسل دیا جانے لگا تو ان کے جسم پر نیل کے داغ نظر

آئے۔ تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ راتوں کو اپنی پلیٹھ پر آٹے کی بوریاں

لا دلا کر غریبوں کے گھروں میں لے جایا کرتے تھے۔ اور یہ اس کے داغ تھے

جب کوئی سائل آتا تو امام صاحب فرماتے:

"میرے توشے کو آخرت کی طرف لے جانے والے! مرحبا!"

اور خود اٹھ کر سائل کو دیتے آپ فرمایا کرتے تھے کہ "صدقات سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں۔" اپنی زندگی میں دوسرے آپ نے اپنے کل مال و متاع کا نصف خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔

## وقت کی قدر :

کسی عقل والے کا مقولہ ہے :

"اگر آپ کے پاس ایک ہی روٹی ہو اور آپ کے بچے بھوکے ہوں تو آپ اس روٹی کو پرندوں کے آگے نہیں ڈالیں گے۔ اگر آپ کے پاس ایک چھاگل پانی کی ہو اور آپ نے صحرا عبور کرنا ہو تو آپ اس پانی سے پاؤں نہیں دھوئیں گے۔ آپ کے پاس ایک ہی زندگی ہے اور اسی سے آپ نے اپنی آخرت کمائی ہے آپ اسے بیکار کاموں پر کیسے صرف کر سکتے ہیں۔"

آخرت کی بھلائی کی حرص انسان کو زندگی میں ملنے والی فرصت کی قدر و قیمت سکھاتی ہے۔ کیونکہ یہی مختصر مدت ہی تو ہے جس میں کوئی عمل کیا جا سکتا ہے۔ جب اس دارالعمل سے چل دیئے تو پھر تو صرف نتائج ہی دیکھنے ہوں گے۔ عمل کا موقع تو موت کے ساتھ ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا یہ وہ حقیقت ہے کہ جتنا بھی اس پر غور کیا جائے کم ہے۔

اس دنیا میں انسان کی مثال ایک برف بیچنے والے کی سی ہے۔ وہ صبح برف کا بلاک لے کر بیٹھتا ہے۔ شام تک اگر اس نے ہوشیاری دکھائی اور اپنی برف بیچ لی تو اس کا سرمایہ بھی اسے مل گیا اور مزید نفع بھی کما لیا۔ لیکن اگر وہ برف کا بلاک رکھ کر پڑ کر سو جائے، گاہک آئیں اور اسے سوتا دیکھ کر واپس چلے جائیں اور وہ شام تک اپنی برف نہ بیچ سکے تو انجام کیا ہوگا؟ نفع تو خیر وہ



کھوئے گا ہی مگر ساتھ ہی سرمایہ بھی ہاتھ سے گنوا بیٹھے گا۔ کیونکہ بروت تو شام تک گھل کر پانی ہو چکی ہوگی۔

یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔ یہ شب و روز جو ہمیں ملے ہوئے ہیں یہ وہ سرمایہ ہیں جن سے ہم نے آخرت کا نفع کمانا ہے اگر ہم نے ہوشیاری اور دوراندیشی سے کام لیا اور اس سرمائے سے نفع کما لیا تو خوشحال ہو کر واپس جائیں گے اور اگر غفلت کا شکار رہے اور نفع حاصل کرنے کی طرف کچھ توجہ نہ دی تو بہت جلد وہ وقت آجائے گا کہ نہ نفع پاس ہوگا نہ سرمایہ، کیونکہ زندگی تو بروت کی طرح دم بدم گھلتی چلی جا رہی ہے اور ہماری توقع سے بہت جلد یہ بلاک پانی بن کر رہ جائے گا۔ پھر آگے ایک بڑی ہی کٹھن منزل ہوگی۔ اور خالی ہاتھ اور ندامت و پشیمانی سے چور دل۔

الآخر ان المسلمون کے باقی راہ حق کے شہید جناب حسن البنا، وقت کی اہمیت

بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر تم ان میں سے کسی سے پوچھو کہ آخر اس بے فائدہ بیٹھک کا مقصد کیا ہے تو وہ پوری بے باکی سے تمہیں جواب دے گا۔ کہ میں وقت کاٹ رہا ہوں غریب اتنا نہیں سمجھتا کہ جو وقت کاٹتا ہے وہ خود اپنی زندگی کے درخت پر کلہاڑا چلاتا ہے اس لئے کہ وقت ہی زندگی ہے۔“

اردو ادب میں ایک پرانا سا شعر ہے جس کی اہمیت ہر وقت نئی ہوتی

ہے:

غانل، تجھے گھڑیاں یہ دیتا سے منادی  
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھڑادی

یقول کہ لوگ سالگرہ کی خوشی کیوں مناتے ہیں؟ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری عمر کا ایک اور سال بڑھ گیا۔ حالانکہ وہ بڑھتا نہیں بلکہ کم ہوتا ہے۔ عمر نے تو دم بدم کم ہوتا ہی ہے مگر توجہ اس بات پر ہوتی چاہیے کہ ہر لمحہ جو گزر رہا ہے اس کے لیے ہم

خدا کے ہاں جو ابدہ ہیں اگر تو یہ درست طریقے سے صرف ہو رہا ہے تو الحمد للہ! اور اگر یہ عقلیت کی تذر ہو رہا ہے یا ایسے کاموں پر صرف ہو رہا ہے جو انجام بدلانے والے ہیں تو پھر یاد رکھنا چاہیے کہ بڑے سے بڑا ڈاکو بھی ہم پر ڈاکہ ڈال کر وہ نقصان نہیں پہنچا سکتا جو وقت کا ضیاع پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ ٹی ہوئی دولت وقت کے ذریعے دوبارہ حاصل کر لی جاتی ہے مگر وقت کی دولت جب چھین جائے تو اس کا ایک سیکنڈ بھی دوبارہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ تھوڑے ہی سے دن ہیں۔ انہیں میں سب کچھ کہتا ہے۔ یہ اتنے تھوڑے ہیں اور ان میں کیا جانے والا کام اتنا بڑا ہے کہ اس میں قطعی اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ اسے فضول ضائع کیا جائے۔ یہ رات بڑی چھوٹی ہے اور اس میں کیا جانے والا کام بے انتہا لمبا ہے۔

بعض بزرگوں کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ خود اپنے گھر والوں کے اندر کہیں گڑھا کھود رکھتے تھے۔ وقتاً فوقتاً وہاں جا کر آنکھیں بند کر کے چپ چاپ لیٹ گئے اور اپنے اوپر پورے طور پر یہ خیال حاوی کر لیا کہ اب ہم مر چکے ہیں اور قبر میں پہنچ چکے ہیں۔ ایسا واپس جانے کا کوئی امکان نہیں پھر سوچتے کہ وہ کون کون سی باتیں ہیں جو اس وقت دل میں چھو رہی ہیں، جو یہ وقت آنے سے پہلے کر لی جانی چاہئیں مگر نہ کہیں اور اب تو مر ہی گئے ہیں اور واپس تو جا ہی نہیں سکتے۔

فلاں شخص کا قرضہ دینا تھا۔ حالات کچھ ایسے بڑے تونہ تھے کہ ادا کر ہی نہ سکتے تھے مگر غفلت کے باعث آگے آگے ڈالتے گئے۔ اور اب تو واپس

جانا ہی نہیں۔ فلاں عزیز سے زیادتی کی تھی۔ احساس بھی ہو گیا تھا کہ اپنی ہی زیادتی ہے مگر جھوٹی اکڑ کے باعث اس سے معافی نہ مانگی اور اب یہاں پہنچ گئے ہیں اور معافی مانگنے کا امکان ہی نہیں رہا، وہ بوجھ اسی طرح سر پر ٹھک رہے ہیں اور اتارنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ فلاں اور فلاں دن یہ موقع پیدا ہوا تھا کہ غریب ہمسائے کی مالی امداد کریں۔ مگر جو رقم اس پر خرچ ہو سکتی تھی، وہ ایک بڑھیا لباس پر خرچ کر دی۔ اور آج وہ بڑھیا

لباس دینا ہی میں چھوڑ آئے ہیں۔ سالانہ اگر وہ رقم ایک محتاج کی اعانت پر صرف ہوتی تو یہاں قربیوں کے ساتھ آتی اور اب تو اسے لانے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ غرضیکہ اسی طرح وہ اپنی کوتاہیوں کو یاد کر کے دل میں خوب ندامت کے طوفان اٹھاتے پھر اس قبر سے زندہ اٹھ کر باہر آ جاتے اور فوراً وہ سب کام کہ گزرتے جو اس گڑھے کے اندر ندامت اور پشیمانی کا باعث بن چکے ہوتے غرضیکہ زندگی کے یہ اوقات جو بسا اوقات غیبتوں بہتان طرازیوں، رطانی جھگڑوں، تن آسانیوں، فتنہ سامانیوں، لہو و لہب اور بدانتہا ممنوع اور شنیع کاموں میں صرف ہو جاتے ہیں زندگی کے وہ احوال میرے ہیں جو اگر ایک دفعہ چھن جائیں تو پھر دوبارہ ان کے ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے "اور جس دن وہ انہیں اکٹھا کرے گا ایسے معلوم ہو گا گویا وہ ایک گھڑی دن سے زیادہ دنیا میں نہیں ٹھہرے" (پولس ۴۵)

"جس دن وہ اسے دیکھیں گے ایسا معلوم ہو گا کہ گویا وہ (دنیا میں) ایک شام یا اس کی صبح سے زیادہ نہیں رہے تھے"

(الترغیت - ۴۶)

## آخری زندگی کا دوام :

آخرت کے سلسلے میں ایک خاص طور پر یاد رکھی جانے والی بات یہ ہے کہ آخرت پر صرف ایمان ہی نہیں رکھنا بلکہ ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی پوری طرح ذہن نشین کرنا ہے کہ جو زندگی آخرت میں ملے گی وہ پھر کبھی ختم نہیں ہوگی۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ آخرت پر لکھنے اور بولنے والے جتنا زور دنیوی زندگی کی بے ثباتی پر دیتے ہیں اتنا آخرت کے دوام پر نہیں دیتے۔ ویسے تو جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اسے دائمی بھی جانتا ہے مگر آخرت کو دائمی سمجھنا ایک بات ہے۔ اور اس کے دوام کو اس طرح ذہن نشین کرنا جیسے کہ ذہن نشین کرنے کا حق ہے ایک بالکل دوسری بات ہے۔ بے شمار لوگ نظری حد تک کہتے ہیں کہ خدا ہر وقت دیکھ رہا ہوتا ہے مگر اس کے باوجود بڑے دھڑکنے سے بڑے اعمال کرتے رہتے ہیں اور اس وقت انہیں ذرا بھی یاد نہیں ہوتا کہ خدا انہیں یہ بد عملیاں کرتے دیکھ رہا ہے۔ ایسے ہی نظری حد تک مان لینا کہ آخرت دائمی ہے مگر ساتھ ہی دنیا کی بے حقیقت اور ناپائیدار اساتھوں کے لئے ایمان فروخت کرتے رہنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ آخرت کے دوام پر یقین ہونے کا دعویٰ تو ہے مگر یہ یقین، دل و دماغ میں رچا بسا ہوا نہیں ہے۔

لہذا آخرت کے دوام پر صحیح معنوں میں یقین ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر کما حقہ غور و خوض کیا جاتا رہے اور اس دوام کو حتی الامکان دل و دماغ میں نقش کرنے کی کوشش جاری رہے تاکہ دنیا کے حقیقی نفسانی خواہشات کی بے ثباتی کا احساس اتنا گہرا ہو جائے کہ پھر انسان اللہ کی نافرمانی سے دور رہے

دور تر ہوتا چلا جائے۔

جہاں تک ممکن ہو بار بار یاد کرنا چاہیے کہ آخرت کی زندگی انجام سے  
تو آشنا ہے۔ اس کا کوئی دوسرا کنارہ نہیں اس نے کبھی ختم نہیں ہونا، وہاں  
موت کا کوئی وجود نہیں، وہ ہمیشہ، ہمیشہ، ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے اس  
میں اگر اللہ تعالیٰ خوشی کی رات دے گا تو اس کے بعد کوئی غم کا دن نہیں  
آئے گا۔ اور اگر کوئی مسرت کا دن عطا فرمائے گا تو اس کے بعد کوئی دکھ  
کی کالی، لمبی رات نہیں آئے گی۔ اس دنیا میں اگر مسرت کا کوئی لمحہ آ بھی جاتا  
ہے تو بسا اوقات اس کے دوران بھی دل میں کانٹا کھٹک رہا ہوتا ہے کہ  
”کل کیا ہوگا“ مگر آخرت کی زندگی میں کل کیا ہوگا۔ کا کوئی وجود نہیں ہوگا۔ وہاں کی مسرت قائم دائمی ہوگی اور  
وہاں کا عذاب، خدا محفوظ رکھے، وہ ناقابل برداشت ہوگا۔ زندگی میں  
یہ بھی ایک کیا جانے والا کام ہے اور بہت ضروری کام ہے کہ اس حقیقت  
کو بار بار، بار بار، بار بار ذہن نشین کرنے کی کوشش جاری رکھی جائے  
کہ آخرت کی زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔

حضرت عبداللہ (بن مسعود) بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل کرے گا۔  
اور اہل دوزخ کو دوزخ میں۔ پھر ایک پکارنے والا ان کے درمیان کھڑا  
ہوگا اور کہے گا کہ اے جنت والو (اب) موت نہیں ہے۔ اور اے  
دوزخ والو (اب) موت نہیں ہے۔ جو شخص جس حالت میں ہے اسی میں  
ہمیشہ رہے گا۔ (مسلم)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں پہنچ جائیں

گے تو موت کو لایا جائے گا۔ یہاں تک کہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان رکھا جائے گا، پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور موت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی) پھر ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے جنت والو! (اب) موت نہیں ہے، اے دوزخ والو! (اب) موت نہیں ہے۔ اس سے جنت والوں کی (پہلی) خوشی پر اور خوشی کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور دوزخ والوں کے (پہلے) غم پر اور غم کا اضافہ ہو جائے گا۔

(بخاری)

